ماہنامہ
الفرقان
ربوہ

اکتوبر 1968ء

انصار اللہ ساہیوال (Montgomery) کا تاریخی فوٹو

سیدنا حضرت خلیفۃالمسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خلافت سے پہلے، بحیثیت صدر مجلس انصاراللہ مرکزیہ، متعدد مجالس کے اجتماعات میں تشریف لے گئے - جون ۱۹۶۵ء میں آپ ساھیوال کے اہم اجتماع میں تشریف لے گئے تھے - تصویر میں مرکزی نمائندوں میں سے ابوالعطاء - نسیم سیفی صاحب اور چوھدری شبیر احمد صاحب موجود ھیں حضور کے بائیں جانب محترم مرزا احمد بیگ صاحب صحابی حضرت مسیح موعودؑ کھڑے ھیں -

کل من علیھا فان

مجاھد احمدیت حضرت مولانا عبداللہ صاحب فاضل مالاباری

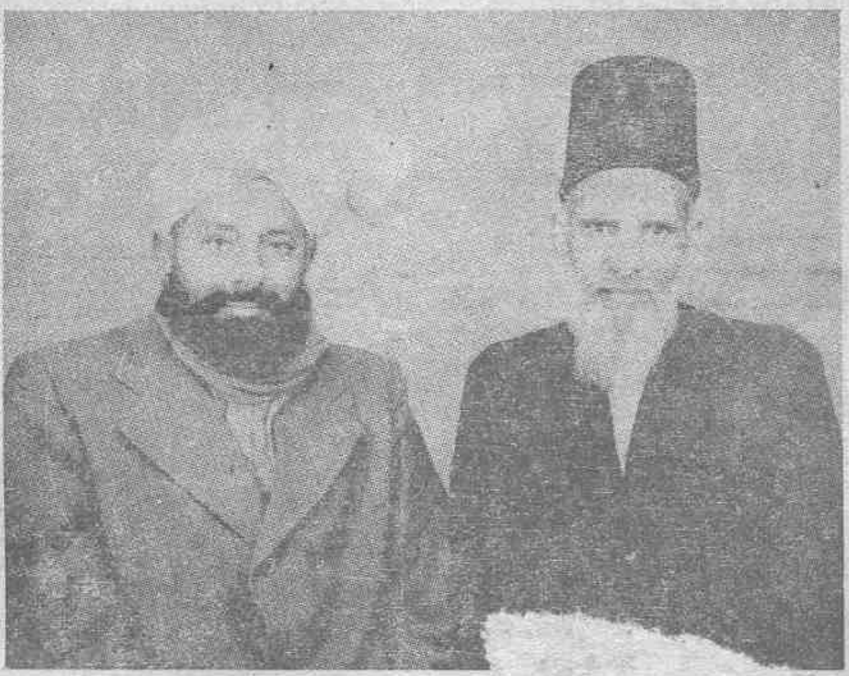

سلسلہ احمدیہ کے ... ی مبلغ اور نامور عالم حضرت مولانا عبداللہ صاحب مالاباری وفات پاگئے ھیں اناللہ و انا الیہ ... جعون - آپ نے مرکز سلسلہ قادیان میں تعلیم حاصل کی اور ھمارے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا - اور پھر ساری زندگی خدمت دین کے لئے وقف کردی اور آخری دم تک اس فرض کو نبھاتے رھے - بہت وسیع مطالعہ رکھتے تھے - علمی کتابوں اور رسالوں سے شغف تھا - مولانا موصوف نہایت سنجیدہ اور خلیق بزرگ تھے - عربی زبان پر کافی عبور تھا - اردو خوب لکھتے اور بولتے تھے - ملیالم وغیرہ زبانیں تو مادری زبانیں تھیں - آپ نے تہتر برس کی عمر پائی - اس عرصہ میں خدمت دین کی نہایت عمدہ توفیق حاصل ھوئی - اپنے علاقہ کے مخالفین کے سب اعتراضات کے جوابات دیتے تھے - متعدد کتابیں اور رسالے شائع فرماتے - اردو زبان میں بھی ٹھوس مقالات لکھتے رھے نہایت بے تکلف اور مخلص دوست تھے - ان کی وفات ایک جماعتی صدمہ ھے - دعا ھے کہ اللہ تعالی مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے اور ان کے اھل و عیال کا حافظ و ناصر ھو - آمین

مذکورہ بالا فوٹو جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر دسمبر ۱۹۶۴ء میں مولانا موصوف (ٹوپی والے) اور خاکسار کا لیا گیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جلد ۱۸	ماہنامہ **الفرقان** ربوہ	رجب ۱۳۸۸ ہجری قمری
شمارہ ۱۰	اکتوبر ۱۹۶۸ء	اخاء ۱۳۴۷ ہجری شمسی

تبلیغی اور تعلیمی مجلہ

ماہنامہ

الفُرقان

(ایڈیٹر)

ابو العطاء جالندھری

نائبین

دوست محمد شاہد مولوی فاضل

عطاء المجیب راشد ایم۔ اے

قواعد و ضوابط

۱۔ رسالہ ہجری شمسی مہینہ کی دس تاریخ کو شائع ہوتا ہے

۲۔ سالانہ چندہ پاکستان کے لئے چھ روپے ہے

۳۔ " " بھارت کے لئے آٹھ روپے ہے جو محترم الحاج قریشی عطاء الرحمٰن صاحب قادیان کے نام بھجوایا جائے۔

۴۔ غیر ممالک کے لئے تیرہ شلنگ ہے۔

(مینیجر الفرقان ربوہ)

ترتیب مقالات

- اناجیل میں مسیح کے لئے لفظ ابن اللہ کا استعمال — اداریہ — ص ۲
- البیان۔ سورۃ نساء کا مختصر سلیس ترجمہ و تفسیر — ابو العطاء — ص ۵
- عربی زبان کی خصوصیات (ایک خاص تحقیقی مقالہ) — جناب ملک مبارک احمد صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ — ص ۹
- شذرات — (ایڈیٹر) — ص ۲۰
- سوالات اور ان کے جوابات — " — ص ۲۳
- یا اخت ھارون (مستشرقین کے اعتراض کا جواب) جناب میاں فضل کریم صاحب قارانی ایڈووکیٹ بھیرہ — ص ۲۵
- حدیث نبوی میں جماعت احمدیہ کا ذکر — (ادارہ) — ص ۲۸
- حاصل مطالعہ۔ دیوبند میں کشتی خون کے قطرے — (ماخوذ) — ص ۲۹
- تقاضا (نظم) — جناب نسیم سیفی صاحب — ص ۳۰
- ساقی نامہ درباره نظام خلافت (نظم) جناب ڈاکٹر راجہ نذیر احمد صاحب ظفر — ص ۳۱
- حضرت شیخ عبد القادر صاحب مرحوم کی یادیں (مختلف مقالات) — ص ۳۳
- حضرت مولانا جلال الدین شمس رض کا ذکر خیر جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب — ص ۴۰
- ایڈیٹر کی ڈاک (مکتوب لندن، مکتوب کراچی اور مکتوب چمن) — ص ۴۱
- حیاۃ ابی العطاء (چند منتشر یادیں) — ص ۴۳
- اشتہارات — ص ۴۴

اداریہ

اناجیل میں مسیحؑ کے لئے لفظ "ابن اللہ" کا استعمال

پادری صاحبان کے عذرات کا تحقیقی جواب

متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی اناجیل تاریخی اور تحقیقی اعتبار سے کسی درجہ پر ہوں مگر اکثر عیسائی صاحبان انہیں الہامی کتابیں تصور کرتے ہیں اور اپنے موجودہ عقائد کی بنیاد ان کے الفاظ پر رکھتے ہیں اسلئے عیسائیوں میں تبلیغ کرنے کے لئے ایک بہترین طریق یہ ہے کہ انہیں ان اناجیل سے سمجھایا جائے کہ ان کے موجودہ عقائد درست نہیں ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت مسلمانوں اور عیسائیوں میں یکساں احترام کی مستحق سمجھی جاتی ہے اور سب مسلمان بھی آپ کو خدا کا پیارا نبی اور رسول یقین کرتے ہیں۔ عیسائی صاحبان حضرت مسیح کو خدا کا رسول نہیں مانتے بلکہ انہیں کامل خدا خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ طے ہو جائے کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں خدا نہیں ہیں تو موجودہ عیسائیت اور اسلام میں اتحاد ہو جاتا ہے کیونکہ عیسائیوں کے موجودہ سارے اختلافی عقائد کا دارومدار مسیح کی الوہیت کے عقیدہ پر ہے۔

ہمارے نزدیک عیسائی صاحبان کو غلطی ابن اللہ کے لفظ سے لگی ہے جو حضرت مسیحؑ کے لئے اناجیل میں استعمال ہوا ہے حالانکہ بائیبل کے محاورہ میں لفظ ابن اللہ انسانوں کے لئے پیارے کے معنوں میں مجازاً استعمال ہوا ہے۔ خود اناجیل میں بھی یہ لفظ بکثرت ان معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ الوہیت مسیحؑ کی بحث میں ہمیشہ یہ لفظ زیر بحث آتا رہا ہے

اہل اسلام کی طرف سے ہمیشہ یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ لفظ اناجیل میں بائیبل کے محاورہ کے مطابق محبوب اور پیارے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے :-

"دریں باب بلفظ شائع در ہر قوم تکلم واقع شد اگر لفظ ابناء بجائے محبوباں ذکر شدہ باشد چہ عجب" (الفوز الکبیر صٓ)

عیسائی پادریوں سے مباحثات میں ہمیشہ یہ مسئلہ زیر بحث آتا ہے مصر میں جو مباحثہ مسیحی پادری صاحبان سے ہوا اور پھر گزشتہ سالوں میں پادری عبدالحق صاحب سے جو تحریری مناظرہ ہوا ان سب میں یہ موضوع زیر بحث آیا ہے۔ مباحثہ مصر مطبوعہ موجود ہے اس میں پادری صاحبان کے پیش کردہ حوالجات کے جواب میں خاکسار نے لکھا ہے :-

"ان آیات کو حقیقت پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ لازماً ان سے مجازی معنے مراد لینے پڑیں گے جن کی دو وجہیں ہیں۔ اوّل یسوع مسیح نے اپنے بیٹے ہونے کی تفسیر خود بیان کر دی ہے اور اس تفسیر کی رو سے آپ کا درجہ پہلے انبیاء کی نسبت سے زیادہ نہیں بلکہ کم ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ لکھا ہے "یہودیوں نے اسے سنگسار کرنے کے لئے پھر پتھر اٹھائے یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے تم کو

باپ کی طرف سے بہتیرے اچھے کام دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے سبب مجھے سنگسار کرتے ہو۔ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ اچھے کام کے سبب نہیں بلکہ کفر کے سبب تجھے سنگسار کرتے ہیں اور اسلئے کہ تو آدمی ہو کر اپنے آپکو خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو؟ جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا۔ اور کتاب مقدس کا باطل ہونا ممکن نہیں۔ آیا تم اس شخص سے جسے باپ نے مقدس کر کے دنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے اسلئے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں" (یوحنا ۱۰ - ۲ - ۳۶)۔ ظاہر ہے کہ یہود نے حضرت مسیح کو انسان ہو کر خدائی کا دعویدار دیکھ کر کفر بکنے والا قرار دیا۔ اب اگر حضرت مسیح فی الواقعہ خدا تھے تو کہتے کہ بے شک میں خدا ہوں تم لوگ نادان ہو۔ مگر آپ نے جواب یہ دیا کہ پہلے انبیاء اور برگزیدوں کے حق میں جب یہ وارد ہے کہ "تم خدا ہو" تو اب میرے صرف یہ کہہ دینے سے کہ میں خدا کا بیٹا ہوں کیا غضب آ گیا۔ گویا جن معنوں میں پہلے نبیوں کو خدا کہا گیا ہے انہی معنوں میں یسوع خدا کا بیٹا تھا۔ لہذا ابن اللہ مجازاً استعمال ہوا ہے نہ کہ حقیقتاً۔ **دوم** بائیبل میں اور بہت سے لوگوں کے حق میں خدا کے بیٹے کا لفظ وارد ہوا ہے بعض حوالجات یہ ہیں (۱) "خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے۔" (خروج ۴/۲۲)۔ (۲) "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو" (استثناء ۱۴/۱)۔ (۳) "یتیموں کا باپ اور بیواؤں کا ولی اپنے مکان مقدس میں خدا ہے" (زبور ۶۸/۵)۔ (۴) "وہی سلیمان میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ابد تک قائم رکھونگا اور میں اس کا باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا" (۲-سموایل ۷/۱۲-۱۴)۔ (۵) "میں نے اسے چن لیا کہ میرا بیٹا ہو اور میں اس کا باپ ہونگا" (۱-تواریخ ۲۸/۶ و ۲۲/۱۰) (۶) "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے" (متی ۵/۹)۔ (۷) "تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو" (متی ۵/۴۵)۔ (۸) "تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے" (متی ۲۳/۹)۔ (۹) "جس کا ایمان ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے" (۱-یوحنا ۵/۱) (۱۰) "وہ شیث کا اور وہ آدم کا اور وہ خدا کا (بیٹا) تھا" (لوقا ۳/۳۸)۔ (۱۱) "ہم تو اس کی نسل بھی ہیں" (اعمال ۱۷/۲۸)۔ (۱۲) "اسلئے کہ جتنے خدا کے روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں" (رومیوں ۸/۱۴)۔ (۱۳) "ہم خدا کے فرزند ہیں" (رومیوں ۸/۱۶)۔ (۱۴) "اس واسطے بھی کہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دے" (یوحنا ۱۱/۵۲) (۱۵) "کیونکہ جنہیں اس نے پہلے سے جانا انہیں پہلے سے مقرر بھی کیا کہ اسکے بیٹے کے ہمشکل ہوں تاکہ وہ بہت سے بھائیوں میں پلوٹھا ٹھہرے" (رومیوں ۸/۲۹)۔ (۱۶) "کیا تم نہیں جانتے کہ تم خدا کا مقدس ہو اور خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے" (۱-کرنتھیوں ۳/۱۶)۔ (۱۷) "تو میں تم کو قبول کرونگا اور تمہارا باپ ہونگا اور تم میرے بیٹے بیٹیاں ہوگے۔ یہ خداوند قادر مطلق کا قول ہے" (۲-کرنتھیوں ۶/۱۸)۔ (۱۸) "تم زندہ خدا کے فرزند ہو" (ہوسیع ۱/۱۰)۔ (۱۹) "میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پلوٹھا ہے" (یرمیاہ ۳۱/۹)

ان تمام حوالجات سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ بائیبل میں بیٹے کا لفظ پیارے کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے پیارے نبی تھے۔"

مباحثۂ مصر کے اِس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد ماہنامہ اخوت لاہور لکھتا ہے:-

"مولوی صاحب نے بہت سے حوالے بائیبل مقدس سے پیش کئے ہیں۔ خدا کا بیٹا یا اسکے بیٹے ہونا حقیقی اور لفظی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ہمیں بائیبل میں کہیں کہیں اس کے مجازی استعمال سے انکار نہیں لیکن ہم کو اس سے انکار ہے کہ یہ ہمیشہ صرف مجازی ہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ مسیح کے بارے میں یہ حقیقی اور لفظی معنوں میں استعمال ہوا ہے مجازی معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔"

(اخوت ستمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۶)

اب بات یوں ہوئی کہ پادری صاحبان کا دعویٰ اور دلیل یہ ہے کہ لفظ ابن اللہ بائیبل میں ہر جگہ ہی مجازی معنوں میں استعمال ہوا صرف مسیح کے لئے مجازی معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ گویا جو دعویٰ اور متنازع فیہ امر تھا یعنی مسیح کی ابنیت اور الوہیت کا مسئلہ پادری صاحبان اسی کو بطور دلیل بیان کر رہے ہیں۔ فنِ مناظرہ میں اسی کو **مصادرہ علی المطلوب** کہتے ہیں جو ناجائز ہے۔

پادری صاحبان کا یہ خیال ہے کہ انجیل سے ان کے اس زعم کی تائید ہو سکتی ہے کہ صرف مسیح ہی حقیقی بیٹا تھا اور باقی سب انبیاء و صلحاء مجازی بیٹے تھے۔ اخوت کے مضمون نگار صاحب نے بھی اس پر زور لگایا ہے اور اس سے پہلے پادری عبدالحق صاحب نے بھی اسی نظریہ کو پیش کیا ہے اور لفظی ہیر پھیر سے کوشش کی ہے کہ اس ناممکن کو ممکن کر دکھائیں۔ مضمون نگار اخوت نے انگوری باغ کی **تمثیل** اور لفظ اکلوتا کو دلیل گردانا ہے اور پادری عبدالحق صاحب نے لکھا تھا کہ:-

"ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صرف خداوند یسوع مسیح کو ہی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ صرف آنخداوند کو ہی اکلوتا بیٹا کہا گیا ہے (یوحنا ۱: ۱۴ و ۱۸ + ۳: ۱۶ و ۱۸ + ا یوحنا ۴/۹) اور اکلوتے بیٹے کا لفظ ہی اس امر پہ دلالت صریح ہے کہ اس معنے میں خدا کے کسی اور بیٹے کا امکان ہی نہیں۔"

گویا پادری صاحبان کے دو عذرات ہیں (۱) انگوری باغ کی تمثیل میں لفظ بیٹا کا استعمال اور یوحنا کے بیان میں اکلوتا بیٹا کے الفاظ کا وارد ہونا۔ ہم ان ہر دو عذرات کا پورا پورا تجزیہ آئندہ اشاعت میں درج کریں گے۔ و باللہ التوفیق ۰ (باقی)

النسآء ع

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ

کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو، نمازیں قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ

پھر جب اُن پر جنگ فرض ہو گیا تو اُن میں سے ایک گروہ دوسرے لوگوں سے اِس طرح ڈرتا ہے جس طرح انہیں خدا سے ڈرنا چاہئے

أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا

بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ انہوں نے کہا اے ہمارے رب! تو نے ہم پر ابھی جنگ کیوں فرض کر دی ہے؟ کاش! تو نے ہمیں قریب مدت

إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَى وَلَا

تک مہلت دی ہوتی۔ اے رسول! تو کہدے کہ دنیا کا فائدہ نہایت تھوڑا ہے اور آئندہ آنیوالی زندگی اسکے لئے خیر و برکت کا موجب ہے جو تقویٰ اختیار

تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي

کرے اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔ تم کسی جگہ بھی ہوگے موت بہرحال تم کو پالے گی اگرچہ تم نہایت

تفسیر۔ اس رکوع کی گیارہ آیات ہیں۔ پہلی اور دوسری آیت میں ان کمزور مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو مسلمانوں کی بے سروسامانی کے عالم میں ان پر جنگ فرض ہو جانے سے سراسیمہ ہو رہے تھے حالانکہ جنگ کا فرض ہونا خود مسلمانوں کے اختیار سے نہیں تھا کفار حملہ آور ہو رہے تھے اللہ تعالیٰ نے مظلوم مسلمانوں کو دفاعی جنگ کی اجازت فرما دی۔ اس میں ڈھیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ باقی رہا موت کا معاملہ تو فرمایا کہ موت ہر حال انسان پر آتی ہے خواہ وہ کتنی محفوظ جگہ میں رہتا ہو۔ تیسری آیت میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ فتح و شکست یا سکھ دُکھ خدا کی طرف سے

بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ

مضبوط اور پختہ محلات میں ہو۔ ان لوگوں کو اگر اچھی بات پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ

ہے۔ اور اگر ان کو مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ تو کہدے کہ ہر نتیجہ

عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ○

خدا کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس واضح بات کے سمجھنے کی طرف نہیں آتے ؟ ۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

جو اچھی بات تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیری اپنی جان

نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○

کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم نے تجھ کو لوگوں کے لئے بطور رسول بھیجا ہے، اور اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

جو شخص اس رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ یقیناً اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور جو شخص اطاعتِ رسول سے روگردانی کرتا ہے تو یاد رکھ

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ○ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ

ہم نے تجھے لوگوں پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ وہ لوگ منہ سے اطاعت اطاعت کہتے ہیں لیکن جب تیرے پاس سے پرے جاتے ہیں تو ان میں سے

ہے یا بدی کی تدبیر سے ہوتا ہے ؟ فرمایا نہایت واضح بات ہے کہ نتائج پیدا کرنیوالا خدا ہی ہے اسی کے حکم سے سب کچھ ظاہر ہوتا ہے ہاں اچھے نتائج میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بڑھوتی پیدا کرتا ہے مگر سزا صرف اتنی ہی دیتا ہے جتنا برا فعل ہوتا ہے اسلئے اچھائی خدا کی طرف منسوب ہوتی ہے اور برائی انسان کی اپنی طرف چوتھی اور پانچویں آیت میں رسول کی اطاعت کرنے اور اسکی تجاویز سے ہمہ جوہ قولی و عملی موافقت کرنیکی تلقین کی گئی ہے چھٹی آیت میں قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے پر ایک قطعی دلیل دی گئی ہے۔ فرمایا اگر یہ انسان کی تعلیم ہوتی تو ان گوناگوں اور متضاد حالات کی وجہ سے جو

طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۖ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ

ایک گروہ تیری ہدایات (یا اپنے اقوال) کے خلاف منصوبے بناتا ہے۔ اللہ اسے لکھ رہا ہے جو یہ لوگ سازشیں کرتے ہیں۔ تو ان سے اعراض کر

عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر۔ اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔ کیا یہ لوگ قرآن مجید پر غور و

الْقُرْاٰنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا

تدبر نہیں کرتے؟ اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ اس میں بکثرت شدید اختلاف پاتے۔

كَثِيْرًا ۝ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۖ

ان لوگوں کے پاس جب امن اور خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

اگر یہ لوگ اسے رسول اور اپنے میں سے اولو الامر لوگوں کے پاس لیجاتے تو اس کی حقیقت کو وہ لوگ خوب جان لیتے

يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ

جو اس کی تہ کو پہنچتے ہیں۔ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بجز قلیل تعداد کے تمہاری

الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا

اکثریت شیطان کی اتباع کرتی۔ اے رسول! تو خود راہ خدا میں جنگ کر، تجھے صرف اپنی جان کا ذمہ دار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آتے رہے ہیں اس میں کبھی یکسانیت اور پورا تطابق نہ ہو سکتا بلکہ بے حد اختلاف ہوتا مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ یہ الحی القیوم علام الغیوب خدا کا کلام ہے۔ ساتویں آیت میں کمزور اور بیمار مسلمانوں کی اس بُری عادت کا ذکر فرمایا کہ عام افراد قوم میں آمدہ خبریں اور افواہیں پھیلا کر دفاعی قوت کو کمزور کر دیتے ہیں۔ ہدایت فرمائی کہ ہر خبر خواہ امن کی ہو یا خوف کی رسول اسکے نائب اور اہل افراد تک پہنچانے کی تاکید فرمائی ہے۔ آیت سے ظاہر ہے کہ قوت استنباط صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے۔ آٹھویں آیت میں رسول کی ذمہ داری خود تعمیل حکم باری تعالیٰ اور مومنوں کو ترغیب دینے کی بتائی گئی

نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَأْسَ الَّذِيْنَ

ٹھہرایا جائیگا ہاں مومنوں کو بھی (دفاعی جنگ کی) ترغیب دے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو بند

كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب دینے اور گرفت کرنے میں سخت ہے۔ جو شخص اچھی سفارش

حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ

کرے گا اسے اس سے حصہ ملے گا اور جو بُری سفارش کرے گا اسکی ذمہ داری

لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ وَاِذَا

اسی پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر محافظ اور نگران ہے۔ اور جب

حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

تم کو سلام وغیرہ کا کوئی تحفہ دیا جائے تو تم اس سے بہتر تحفہ دیا کرو یا کم از کم اس جیسا جواب ضرور دو یقیناً اللہ تعالیٰ

كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔ اللہ وہ ذات ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تم سب کو قیامت

اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ ع ۱۱/۸

کے یقینی دن میں جمع کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنی بات میں کون سچا ہو سکتا ہے؟

نویں آیت میں سفارش کرنے کی اہمیت اور ذمہ داری کا ذکر ہے۔ جس سفارش سے فرد یا قوم کو کسی قسم کا نقصان پہنچے وہ بُری سفارش ہوتی ہے۔ دسویں آیت میں باہمی محبت بڑھانے کے ایک خاص طریق یعنی باہمی سلام کہنے، تحفے دینے اور مناسب اور بہتر جواب دینے کا ذکر فرمایا ہے۔ سلام کا جواب نہ دینا بالکل غیر اسلامی طریق ہے۔ گیارھویں آیت میں صراحت کی گئی ہے کہ دنیا کی جنگوں کا خاتمہ اسلام کی فتح اور غلبہ پر ہوگا۔ اور یہ غلبہ قیامت کبریٰ کے وجود پر ایک قاطع برہان ہے +

مجلس ارشاد مرکزیہ میں پڑھا جانے والا خاص علمی مقالہ

عربی زبان کی خصوصیات

(از جناب ملک مبارک احمد صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ)

زبانِ عربی ترجمانِ فطرت ہے۔ خود خالقِ فطرت فرماتا ہے: خَلَقَ الْإِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ. البیان وہ خصوصی صفت ہے جو عربی کو تمام دیگر زبانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ اس طرح امتیاز کو عربی زبان سے مخصوص کرتے ہوئے فرمایا: لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ۔

اول الذکر آیت میں انسانی پیدائش کے ساتھ ہی انسان کو البیان سکھانے کا ذکر ہے۔ جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان انسانی فطرت کے روحانی و جسمانی تقاضوں کی بہترین ترجمان ہے۔ اس کے ظاہری و باطنی قویٰ کی صحیح اور مکمل ترین نمائندہ ہے اور اس زبان کی ہر حرکت و سکون انسانی زندگی کی ہر حرکت و سکون کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ غرضیکہ عربی زبان انسان کی روحانی و جسمانی زندگی کی ایک سچی تصویر ہے۔ جس کا عکس عربی کے حروف ہجا سے لیکر اس کے فصیح و بلیغ کلام تک میں نمایاں ہے۔

قبل اس کے کہ ہم مندرجہ بالا حقیقت کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے دلائل فراہم کریں اور عربی زبان کے خصائص پر بالتفصیل روشنی ڈالیں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان کی ماہیت، اسکے وطن، اس کی نشوونما و ترقی اور اس کے بولنے والے عربوں کا مختصر و مناسب تاریخی جائزہ لیا جائے تاکہ عربی زبان کے خصائص کا پس منظر، اس کی ترقی کے اسباب و علل اور اس کے نظامِ کلام کا فلسفہ ایک حد تک ہمارے سامنے آجائے۔

عربی زبان کی ابتداء جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے جزیرہ نما عرب کے جنوب میں بسنے والے یمنی قبائل میں ہوئی جن کا مورثِ اعلیٰ **یعرب بن قحطان** سب سے پہلا عربی بولنے والا شخص قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے ہم نے ابھی بیان کیا ہے عربی زبان فطرتِ انسانی کی مکمل ترجمان ہے۔ پس اس بناء پر اس کا ابتدائی ظہور اور نشوونما ایسی سرزمین میں ہونا چاہیئے جو فطری تقاضوں کی تکمیل کے لئے سازگار ہو، جہاں زندگی کا قافلہ تکلفات کی پابندیوں سے آزاد ہو کر فطرت کی وسیع گزرگاہوں پر رواں دواں ہو، جہاں فطرت کی آواز بے روک ٹوک

کھلی فضا میں اپنے پورے زیر و بم کے ساتھ ادا ہو سکے جزیرہ نما عرب اپنے مخصوص جغرافیائی کوائف کی بناء پر عربی جیسی فصیح و بلیغ زبان کے پنپنے کے لئے ایک مثالی ملک تھا۔ جیسے نسلِ انسانی کا ابتدائی ظہور اللہ تعالیٰ کی مشیّت و حکمت کے مطابق اِس سرزمین میں ہوا اسی طرح بنی آدم کی ابتدائی زبان کا ظہور بھی اِسی بابرکت خطۂ ارض میں ہوا۔ اور جوں جوں اِس زبان کو بولنے والی سامی نسل مختلف اطراف و جوانب کی طرف ہجرت کرتی رہی اسی طرح یہ زبان بھی اُن کے ساتھ شریکِ ہجرت رہی اور جوں جوں سامی اقوام اس ہجرت کی وجہ سے مختلف قسم کے تہذیب و تمدن سے متاثر ہوتی رہیں، اِسی طرح اُن کی زبان بھی ہجرت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے عوامل کی وجہ سے تغیر پذیر رہی، حتّٰی کہ اسلام کے ظہور کے ساتھ عربی زبان کی ترقی کا ایک سُنہری دَور شروع ہوا۔ قرآن کریم جو بالاتفاق عربی زبان کا شاہکار ہے اس زبان کی عظمت و کمال کا ایک نہ مٹنے والا نشان ہے جس کی آب و تاب امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ فزوں تر ہوتی جا رہی ہے، جسے خود دشمن بھی تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مقدس بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اب بھی عربی زبان کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ خلفائے راشدین کے احکام و خطبات بھی عربی ادب میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کی عظیم فتوحات نے عربی زبان کے لئے نئے اور وسیع ممالک کے دروازے کھول دیئے۔

بنو امیّہ کے دَورِ حکومت میں اسلامی حکومت کی وسعت کے ساتھ ساتھ یہ زبان بھی خوب پھلتی پھولتی رہی۔ **عباسی** دَورِ حکومت کی رنگینیوں سے بھی عربی نے خوب حصّہ لیا۔ **سپین** کے وسیع مرغزار متواتر آٹھ سَو سال تک اِس زبان کی دلرُبا خوشبو سے مہکتے رہے۔ غرض ہر عہدِ حکومت اور ہر بقعۂ ارض اِس زبان کی ترقی و نشوونما کا باعث ہوا۔ ہر ملک کے مخصوص جغرافیائی، اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی حالات اِس پر اثر انداز ہوئے حتّٰی کہ عربی زبان آج ہمارے سامنے ایک ایسے **دلکش گلدستہ** کی صورت میں جلوہ گر ہے جس میں دُنیا کے تمام پھولوں کا رنگ و شیرینی یکجا ہیں۔

عربی زبان کے خصائص بیان کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک معیاری زبان کے مقاصد معیّن کر لئے جائیں تا ان کی روشنی میں یہ اندازہ کیا جا سکے کہ کوئی زبان اپنے خصائص کے لحاظ سے دیگر زبانوں کے مقابلہ میں کس حد تک ان مقاصد سے عہدہ برآ ہو رہی ہے۔ ان مقاصد کی تعیین کے لئے مندرجہ ذیل امور کو بنیادی طور پر مدّنظر رکھنا ضروری ہے:-

اوّل یہ کہ ہر زبان الفاظ و معانی سے مرکب ہوتی ہے۔ الفاظ تمام زبانوں میں محدود و معیّن ہوتے ہیں لیکن معانی غیر محدود و غیر معیّن ہیں۔ اس لئے ہر معیاری زبان کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم الفاظ کو زیادہ سے زیادہ

معانی کے لئے استعمال کر سکے اور اس کے الفاظ و قواعد میں ایسی لچک پائی جائے جو اسے ہر قسم کی نئی نئی اصطلاحات وضع کرنے کے قابل بنا دے۔

دوم۔ انسانی طبیعت میں بھول جانے کا مادہ پایا جاتا ہے اور ہر انسان ہر وقت کسی زبان کے تمام الفاظ مستحضر نہیں رکھ سکتا اس لئے معیاری زبان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے الفاظ اتنے کم بھی نہ ہوں کہ ایک معنی کے لئے صرف ایک ہی لفظ ہو جسے بھول جانے کی صورت میں انسان اپنا مافی الضمیر ادا کرنے سے عاجز آ جائے بلکہ اس میں ایک معنی کو ادا کرنے کے لئے ایک زائد الفاظ کا بھی انتظام ہونا چاہیئے تاکہ انسان کی اس طبعی کمزوری کا ازالہ ہو سکے۔

سوم۔ کسی معیاری زبان کے لئے (خصوصاً عربی کو مدنظر رکھتے ہوئے) یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حروف ہجا انسانی اعضائے نطق کے ساتھ پوری مناسبت رکھتے ہوں۔ تلفظ کے لحاظ سے ان اعضاء کے ہر حصہ کو مشغول رکھتے ہوں اور انسانی آواز کے موسیقی کے ہر تار پر ان حروف کی برابر اور مناسب ضرب پڑتی رہے۔

چہارم۔ علمی لحاظ سے انسانوں کے بہت سے مراتب ہیں۔ کوئی کم علم ہوتا ہے اور کوئی علامہ۔ کوئی سطحی علم رکھتا ہے اور کوئی عمیق۔ کوئی ایک ہی علم اور ایک ہی زبان میں ماہر ہوتا ہے اور کوئی بہت سے علوم اور زبانوں میں۔ غرضیکہ علمی کمیت و کیفیت کے لحاظ سے انسانی برادری کا ہر فرد دوسرے سے مختلف ہے اسلئے معیاری زبان کے لئے ضروری ہے کہ اس کے الفاظ ایسے ہوں جو اپنے معنوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت یا تعلق رکھتے ہوں تاکہ ہر علمی معیار کا شخص بسہولت انہیں استعمال کر سکے اور پھر لفظ و معنی کے باہمی تعلق و مناسبت کو معلوم کر کے محظوظ بھی ہو سکے۔

عربی زبان کی امتیازی خصوصیات

مذکورہ بالا مقاصد اربعہ کے پیش نظر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ عربی زبان ایسے خصائص کی حامل ہے جو کمیت و کیفیت کے لحاظ سے دیگر زبانوں سے نہ صرف بڑھ کر ہیں بلکہ بعض خصائص تو صرف عربی زبان میں ہی پائے جاتے ہیں۔ ان خصائص کی مندرجہ ذیل دو قسمیں ہیں:۔

اوّل۔ وہ خصائص جن میں عربی زبان بالکل منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

دوم۔ وہ خصائص جن میں عربی دیگر زبانوں کے ساتھ مشترک ہے لیکن ان خصائص کی وسعت اور کیفیت کے لحاظ سے وہ دوسری زبانوں سے کہیں بڑھ کر اور ممتاز ہے۔

اب ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان خصائص کو بالتفصیل بیان کرتے ہیں وباللہ التوفیق

اوّل۔ عربی زبان کے حروفِ ہجاء دیگر زبانوں کے حروف کے مقابلہ میں یہ امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں کہ الف سے لیکر یاء تک ہر حرف کا تلفظ آلاتِ نطق کی حرکات کے ساتھ ایسے طور پر ہم آہنگ اور مربوط کر دیا گیا ہے جیسے ایک ماہر موسیقار آلاتِ موسیقی کے ہر تار کے ساتھ ایک خاص دُھن وابستہ کر دیتا ہے بلکہ عربی میں ہر حرف کے تلفظ کی ابتداء، وسط اور انتہاء بھی مقرر ہے۔ اِس وقت آلاتِ نطق کے تجزیہ اور علم مخارج الحروف کی تفصیلی بحث میں ہم نہیں اُلجھنا چاہتے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک، ایک مستقل عنوان اور الگ بحث کی حیثیت رکھتا ہے جسے اِس وقت چھیڑنا مناسب نہیں۔ عربی حروف ہجاء پھیپھڑوں کی ہَوا کی گزرگاہ، سانس ـــــ حنجرہ، حلق، ناک، تالُو، زبان (ہردو کا پہلا، درمیانی اور آخری حصہ) دانت اور ہر دو ہونٹوں کی مختلف حرکات وسکنات کے ساتھ ٹکراتے ہوئے بیرونی ہَوا کی موجوں کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ آواز کو پیدا کرنے کا یہ بے نظیر نظام جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم نشان ہے، وہاں ترجمانِ فطرت یعنی عربی زبان کے حروفِ ہجاء اس صوتی نظام کا بہترین عملی مظہر ہیں، ان میں دیگر زبانوں کے برعکس (ء) اور (ع) (ت) اور (ط)۔ (ث)، (س) اور (ص) (ز)، (ذ)، (ض) اور (ظ)۔ (ک) اور (ق) کے تلفظ میں واضح اور بیّن فرق ہے جبکہ دوسری زبانوں کے حروف اس وصف سے عاری ہیں۔ اور اگر غور کیا جائے تو عربی زبان کی وسعت اور کثرتِ مواد کی ایک وجہ یہی ہے کہ اس نے ایک ہی قسم کی آواز کو مختلف صورتوں میں ادا کر کے اپنی لفظی ثروت کو دُگنا تگنا کر لیا ہے اور پھر ایسے لفظ ہیں جہاں یہ مشترک آواز مختلف صورتوں میں موجود ہوتی ہے اگر یہ آواز شروع کلمہ میں آئے تو اور معنے ہوں گے، اگر وسط میں آئے تو اور، اور اگر آخر میں آئے تو اور معنے ہوں گے۔ جیسے قلب، لقب اور بلق۔ اس طرح عربی زبان نے محض حروفِ ہجاء کی مشترکہ آوازوں کو آلاتِ نطق کی مختلف حرکات کی صورت میں ادا کرنے کے ساتھ معانی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے اندر سمیٹ کر رکھ دیا جس کے سامنے دیگر زبانیں اپنی بے سروسامانی کے سوا اور کچھ نہیں پیش کر سکتیں۔

دوم۔ عربی زبان میں مرکب لفظ کے معنے اس لفظ کے مفرد حروف کے مخارج کے ساتھ ایک

ایسا گہرا اور عجیب و غریب تعلق رکھتے ہیں جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے جیسے خَضَمَ اور قَضَمَ۔ اوّل الذکر نرم اشیاء کے چبانے کے لئے جبکہ قَضَمَ خشک اور سخت چیزوں کے چبانے کے لئے آتا ہے۔ (خ) نرم آواز والے حروف میں سے ہے اسلئے نرم چیزوں کے چبانے کیلئے خَضَمَ استعمال کیا اور (ق) سخت اور کرخت آواز والے حروف میں سے ہے اسلئے سخت اور خشک چیزوں کے چبانے کے لئے قَضَمَ لایا گیا ہے۔ اسی طرح نَضَحَ اور نَضَخَ دونوں پانی کے بہنے کی صفت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن نَضَحَ میں پانی کی قلت اور کمزوری کا اظہار ہے جس کے مناسب حال حرف (ح) رکھا جسکی آواز نرم اور کمزور ہے۔ اس کے مقابل نَضَخَ میں پانی بہنے کی شدت اور کثرت کا اظہار ہے جس کے مناسب حال حرف (خ) ہے جو (ح) کے مقابلہ میں سخت آواز کا مظہر ہے۔ ایسے ہی قَدَّ اور قَطَّ دونوں کے معنے کاٹنے کے ہیں لیکن قَدَّ کسی چیز کو لمبائی میں کاٹنے کا مفہوم رکھتا ہے اور قَطَّ کسی چیز کو چوڑائی میں کاٹنے کے مفہوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ (د) کا تلفظ بوجہ نسبتاً لمبا ہونے کے لمبائی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور ط کا تلفظ (د) کے مقابلہ میں چھوٹا ہونیکی وجہ سے چوڑائی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور یہ حقیقت واضح ہے کہ لمبائی میں کاٹنا چوڑائی میں کاٹنے سے زیادہ وقت اور محنت چاہتا ہے ٹھیک ویسا ہی جیسے (د) کے تلفظ کو (ط) کے مقابلہ میں زیادہ لمبا کرنا پڑتا ہے۔ اس قسم کی بیسیوں مثالیں ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

اسی طرح مذکورہ بالا مثالوں میں ایک اور عجیب کرشمہ بھی نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ فعل کے واقعہ ہوتے وقت جس مرحلہ میں نرمی اور سختی کے لحاظ سے اشتراک ہے وہاں ایک جیسے حروف رکھے ہیں اور جس مرحلہ میں سختی اور نرمی کے لحاظ سے اختلاف ہے وہاں مختلف حروف استعمال کئے ہیں جیسے قَضَمَ کے شروع میں ہی انسان کو سخت و خشک چیز کے توڑنے کے لئے بہت زور لگانا پڑتا ہے اس زور و طاقت کے اظہار کے لئے خود فعل کو (ق) سے شروع کیا جس کا تلفظ سخت اور کرخت ہوتا ہے اور خَضَمَ میں فعل کی ابتداء چونکہ نرم چیز کو توڑنے سے ہوتی ہے اسلئے فعل کا پہلا حرف خ ہے جو تلفظ کی نرمی کا مظہر ہے باقی مفہوم چونکہ دونوں میں مشترک ہے

اسلئے دونوں کے باقی حروف ایک جیسے ہیں۔ عربی کی یہ ایک ایسی عظیم خصوصیت ہے جس کی بنا پر ہمارے سامنے اس امکان کا دروازہ کھلنے لگتا ہے کہ عربی زبان کا نہ صرف ہر لفظ بلکہ ہر حرف اپنے اندر ایک خاص معنے رکھتا ہے۔

سوم۔ عربی زبان کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے الفاظ و معانی کے درمیان ایسی مناسبت و تعلق ہے کہ خود اعضاءِ نطق کی حرکات تصویری زبان میں اُن معانی کو ظاہر کر رہی ہوتی ہیں جیسے ہم فَتَحَ کہیں تو ہمارے ہونٹ خود بخود وا ہو جاتے ہیں اور اس طرح کھولنے کا مفہوم تصویری زبان میں ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں اگر ضَمَّ بولیں تو ہمارے ہونٹ خود بخود باہم زور سے مل جاتے ہیں۔ اس طرح جوڑنے یا ملانے کا مفہوم خود بخود ہونٹوں کی حرکت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ شَدَّ اور جَرَّ بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس قسم کی بیشمار مثالوں سے اس عظیم حقیقت سے پردہ اٹھ جاتا ہے کہ عربی زبان کے ہر لفظ کی حرکت و سکون اس مفہوم کی ظاہری واقعی صورت کے ہر حرکت و سکون کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ گویا ضَرَبَ اور قَتَلَ کا تلفظ تصویری زبان میں اپنے ظاہری مفہوم پر دلالت کر رہا ہے اور انہیں بولتے وقت خود آلاتِ نطق میں باہم ضرب و قتال کا بازار گرم ہو رہا ہوتا ہے۔

چہارم۔ عربی زبان نے کسی فعل کے تکرار کے لئے ایک اچھوتا طریق اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ فعل کے حروف کو ایسے رنگ میں خفیف اور مسلسل حرکات کے ساتھ مکرر لایا جاتا ہے کہ فعل کو زبان پر لاتے ہی اس سے تکرار کے معنوں کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ جیسے جَرْجَرَ، زَلْزَلَ، کَبْکَبَ، رَقْرَقَ وغیرہ جن میں بالترتیب لگاتار کھینچنے، لگاتار ہلانے، بار بار لٹانے اور مسلسل نرم اور لطیف ہوتے جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

پنجم۔ عربی مفرد اسماء میں یہ خصوصیت نظر آتی ہے کہ اسم اور مسمّٰی میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ جیسے خَیْلٌ (گھوڑے) کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں خُیَلاء یعنی اکڑ کر چلنے کی صفت پائی جاتی ہے اسی طرح ذَھَبٌ (سونا) کو یہ نام اسلئے دیا گیا ہے کیونکہ وہ ذَاھِبٌ یعنی زوال پذیر ہونے والا ہے اور آدمی کو جلد ہی داغِ مفارقت دے جاتا ہے۔ فِضَّةٌ چاندی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بکھرے ہوئے ٹکڑوں کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ ایسے ہی نَاقَةٌ (اونٹنی) کو یہ نام اسلئے دیا گیا ہے کہ عرب لوگ اسے

اُنَاقَۃٌ یعنی زینت کے لئے استعمال کرتے تھے۔ جَمَلٌ (اونٹ) کو بھی اس کے باعثِ جمال ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے۔ مؤخر الذکر دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ۔ علماءِ لغت نے اسکی بیسیوں مثالیں اپنی کتب میں پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اصولی طور پر عربی زبان کا ہر اسم اپنے اندر اپنی وجہ تسمیہ اور فلسفہ لئے ہوئے ہیں۔

ششم۔ پھر عربی زبان کی حرکات کا نظام ایسا عجیب و غریب ہے کہ ایک ہی مادہ حرکات کی تبدیلی کے ساتھ کچھ کے کچھ معنے دینے لگ جاتا ہے۔ جیسے کَتَبَ۔ صرف ان تین حروف کو کَتَّبَ، کُتِبَ، کُتُبٌ، كَتَّبَ، کُتِبَ، کَتْبٌ پھر مضارع کی صورت میں بعض حروف کی زیادتی اور حرکات کی تبدیلی کے ساتھ ایک ہی مادہ کی بیسیوں شکلیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ اشتقاق کی بحث اس کے علاوہ ہے جو مشترک خصائص میں بیان کی جائے گی۔

ایک نکتہ عربی کی حرکات میں بہت عمدہ ہے فعل ماضی کا آخر مفتوح ہوتا ہے کیونکہ فتحہ کی آواز بولتے وقت جلد ختم ہو جاتی ہے اور ماضی کا زمانہ بھی فعل ماضی بولنے سے پہلے ختم ہو چکا ہوتا ہے اسلئے گویا فتحہ یعنی زبر کی آواز زمانہ ماضی پر دلالت کر رہی ہے۔ اس کے برعکس مضارع مضموم ہوتا ہے یعنی اسکے آخری حرف پر پیش آتی ہے اور پیش کی آواز لمبی ہوتی ہے جسے بولتے وقت آواز کو دیر تک جاری رکھنا پڑتا ہے۔ گویا یہ اس بات کی علامت ہے کہ مضارع کا زمانہ ابھی جاری ہے اور منقطع نہیں ہوا اور یہی مضارع کی اصل حقیقت ہے جس کی طرف اس کی آخری حرکت کی صورت میں اشارہ کر دیا گیا ہے جیسے کَتَبَ اور یَكْتُبُ۔

عربی زبان کی مشترک خصوصیات

اوّل۔ اشتقاق۔ اشتقاق کا عام مفہوم یہ ہے کہ ایک لفظ دوسرے لفظ سے اس شرط کے ساتھ اخذ کیا جائے کہ ان دونوں میں معنوں اور اصل حروف کے لحاظ سے اشتراک قائم رہے۔ عربی میں اشتقاق کا باب بہت وسیع ہے اور عربوں کے اس عجیب و غریب نظامِ کلام کے بارے میں جتنا بھی غور کیا جائے اتنی ہی عربی کی حیرت انگیز خوبیاں انسان کے سامنے آتی ہیں اور وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ عربی ہی تمام ممکن خوبیوں کی جامع ہے۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ اس فطری زبان نے کیسے ایک ایک لفظ سے اشتقاق کے ذریعے بیسیوں معنے پیدا کر لئے ہیں جن سے عربی لغات

بھری پڑی ہیں۔ اس وسیع اشتقاق کے سمندر کو کوزے میں بند کرنا بالکل ناممکن ہے۔

علماءِ لغت نے اشتقاق کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

اوّل۔ اشتقاقِ اصغر

دوم۔ اشتقاقِ اکبر

اشتقاقِ اصغر سے مراد اشتقاق کا وہی عام مفہوم ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔ کتب کے قواعد میں مشتقات میں سے اسم فاعل، مبالغے کے صیغے، اسم مفعول، صفتِ مشبّہ، اسم تفضیل، اسم مکان و زمان اور اسم آلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک مختلف معانی میں وسیع استعمال اور دوسری زبانوں کے مقابلے میں اس استعمال کی برتری ایک مفصل و طویل بحث کی محتاج ہے۔

علاوہ ازیں علماءِ لغت نے اس نظام اشتقاق کو اور بھی وسیع کرتے ہوئے اسکی اور بہت سی صورتیں بھی لکھی ہیں جن میں ثلاثی مزید اور رباعی مزید کے ابوابہ کی مختلف صورتیں شامل ہیں۔ ان میں سے ہر باب اپنے اندر کچھ خواص رکھتا ہے۔ جب بھی کوئی فعل اُس باب کی مخصوص صورت میں لایا جائے گا تو اس میں وہ خصوصیت پیدا ہو جائیگی۔ مثلاً جب کوئی فعل باب تفعیل میں لایا جائے گا تو اس میں کثرت اور شدّت کا مفہوم پیدا ہو جائیگا اور جب اسے استفعال میں لایا جائیگا تو اس میں طلب کا مفہوم آ جائیگا۔ ابواب کے خواص میں بھی عجیب و غریب لطائف مضمر ہیں جن کی وجہ سے ہر باب ایک مستقل بحث کا باب بن جاتا ہے۔ پھر اشتقاق اصغر میں ایک اشتقاق کے بعد مشتق خود اصل مادہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس سے اشتقاق کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جیسے کَوْن کے مادہ سے مَکَان مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم مکان یا زمان ہے جو مشتقات کی ایک قسم ہے لیکن اس مکان نے آگے ایک مستقل مادہ کی صورت اختیار کر لی اور اس سے اشتقاق کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آگے اسی سے اَمْکَنَ، مَکَّنَ اور تمکّن مشتق ہوئے۔ اسی طرح طَالَ کا مصدر بھی مَطَالًا مشتق ہے لیکن اس نے مَطَلَ کی صورت میں خود ایک مستقل مادہ کی صورت اختیار کر لی اور اس سے آگے مُطَلَ، مَاطَلَ کا اشتقاق شروع ہو گیا۔ اسی طرح دوسرے صیغے بھی اس سے مشتق ہونے لگ پڑے۔ یہ امر کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ مَطَلَ اور مَاطَلَ وغیرہ کا اصل الاصول طُول کا مادہ ہی ہے اور اس کے تمام مشتقات میں اس کے معنے کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔

اشتقاقِ اکبر۔ اشتقاق کی یہ قسم علماء کے نزدیک عام نہیں بلکہ اس کا موجد عربی زبان کا مایۂ ناز عالم ابو الفتح عثمان ابن جنّی ہے جس نے

اسے عربی زبان کے معجزہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اِس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی زبان کا ہر ثلاثی مادہ ایک ایسے مشترک معنی کا اظہار کرتا ہے جو ان تینوں حروف کی ہر ترتیب میں قائم رہتا ہے۔ ابنِ جنّی کے نزدیک مثلاً ق و ل کے ثلاثی مادہ کی مختلف ترتیبوں کے لحاظ سے مندرجہ ذیل چھ ممکن شکلیں بنتی ہیں:۔

اوّل - ق، و، ل چہارم - و، ل، ق

دوم - ق، ل، و پنجم - ل، ق، و

سوم - و، ق، ل ششم - ل، و، ق

اس ثلاثی مادہ کے مشترک معنے تیزی و حرکت کے ہیں جو ان اشکال میں برابر موجود ہیں۔ ابنِ جنّی نے ان میں سے ہر شکل کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے شواہد کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے جسے یہاں نقل کرنا باعثِ تطویل ہوگا۔

اس انکشاف کی روشنی میں ہمارے لیے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ ہم ثابت کریں کہ عربی زبان کا نہ صرف ہر حرف بلکہ ہر ثلاثی وحدت خواہ اسے کسی ترتیب و شکل میں لیا جائے ایک مستقل معنے ادا کرتی ہے۔ عربی زبان کی یہ خوبی ایسی بے نظیر ہے کہ اس کی گرد کو بھی دوسری زبانیں نہیں پہنچ سکتیں۔

دوم اشتراک - عربی زبان کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ انسان کے محدود ذہنی قویٰ اور اس کے مقابلہ میں غیر محدود معانی کے پیشِ نظر الفاظ کے استعمال میں زیادہ سے زیادہ توسیع و تعمیم کر دی اور اس کے لئے دیگر ذرائع کے علاوہ اشتراک کا ذریعہ بھی اختیار کیا جس سے مراد یہ ہے کہ ایک لفظ مستقل طور پر ایک سے زائد مختلف معنوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے جیسے عَیْنٌ کے معنے آنکھ، چشمہ، بڑا آدمی، سورج، بہترین مال و منال وغیرہ کے ہو سکتے ہیں۔

سوم ترادف - انسانی ذہن کے مرضِ نسیان کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اِس فطری زبان نے یہ طریق بھی اختیار کیا ہے کہ مترادفات کا ایک بڑا ذخیرہ انسان کو عطا کیا ہے تاکہ اگر ایک لفظ ذہن میں جلد مستحضر نہ ہو سکے تو اسی مفہوم والا دوسرا لفظ اُس کی جگہ لے سکے۔ یہ ذخیرہ نہ صرف **افعال** سے تعلق رکھتا ہے بلکہ اسماء میں بھی عام ہے جیسے تلوار کے لئے عربی میں تقریباً ایک ہزار الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اونٹ کے لئے **پانچصد**، شہد کے لئے **اسّی**۔

بعض علماء ترادف کو تسلیم نہیں کرتے تاہم انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ صفاتی نام ہونے کی صورت میں بھی یہ سب ایک مشترک مفہوم پر دلالت کرتے ہیں جو ترادف کے ثبوت

کے لئے کافی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ترادف کلی ہو، جزئی اور باہم مشترک مفہوم میں ترادف کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

چہارم۔ اضداد کے استعمال کا طریق بھی عربی کی وسعت پسندی کی دلیل ہے یعنی ایک ہی لفظ کے دو متضاد معنے ہو سکتے ہیں لیکن ایک ہی جملہ میں دونوں متضاد معنوں کا اجتماع ناممکن ہے۔ جیسے لفظ بَاعَ اور شَرَیٰ ہر دو کے معنے خریدنے اور بیچنے کے ہو سکتے ہیں۔ جُوْنٌ سیاہ و سفید دونوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ وَرَاءَ اور دُوْنَ ہر دو آگے اور پیچھے کے مفہوم میں آتے ہیں۔ انکی بیسیوں اور مثالیں ہیں جن کی یہاں گنجائش نہیں۔

پنجم۔ نحت یا مقطعات کا طریق جو موجودہ زمانہ کی ترقی یافتہ زبانوں کا امتیاز سمجھا جاتا ہے عربی زبان میں قدیم سے ہی موجود ہے اور باوجود قدیم ہونے کے موجود زبانوں سے بھی زیادہ ترقی یافتہ صورت میں موجود ہے عصرِ حاضر کی ان زبانوں میں مخفف الفاظ کا استعمال زیادہ تر اسماء تک ہی محدود ہے جیسے U.N.O، N.A.T.O، U.SS.R، U.S.A، U.K وغیرہ لیکن عربی زبان نے ان زبانوں سے گوئے سبقت لیجاتے ہوئے افعال کو بھی مخفف حروف سے ادا کیا ہے جیسے آلمٓ، آلرٰ، حَمْدَلَ، حَوْقَلَ وغیرہ۔

ششم۔ عربی زبان پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں موجودہ سائنسی دور کی اصطلاحات وضع کرنے کی اہلیت نہیں اور یہ کہ یہ جامد زبان ہے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو یہ امر روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے عیاں ہو جاتا ہے کہ عربی زبان کے قواعد اشتقاق، نظامِ ابواب، صفات کے ہزاروں لاکھوں صیغے، مبالغے کے صیغے، مصادر کے بیسیوں اوزان اور لفظ عام کا خاص معنوں میں استعمال، یہ تمام خصوصیات عربی زبان کو ایسی لچک و وسعت عطا کرتی ہیں جس کی نظیر تلاش کرنا عبث ہے۔ خواہ علوم کتنے ہی ترقی کر جائیں اور کتنی ہی اصطلاحات بن جائیں عربی زبان ان سب کو اپنے اندر سمو سکتی ہے بلکہ مزید ممکن ترقی کا مقابلہ بھی بآسانی کر سکتی ہے۔

درحقیقت اصطلاحات کا وجود علمی و صنعتی ترقی کا رہینِ منت ہے۔ جن قوموں نے صنعتی ترقی کی اُن کی زبانوں میں اصطلاحات کا وجود خود بخود آ گیا اور اُن کی اس ترقی کے باعث انہیں کی اصطلاحات دنیا میں جاری و ساری ہو گئیں۔ پس اگر عرب اقوام عربی زبان کی اہلیت کا امتحان کرنا چاہتی

ہیں تو صنعتی و علمی میدان میں سبقت حاصل کریں، پھر دیکھیں کہ عربی زبان اس ترقی کے چیلنج کو قبول کرنے کے لئے کس طرح سینہ سپر ہے۔

عربی کا جدید مشہور شاعر حافظ ابراہیم عربی زبان کے اسی شکوے کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

أنا البحر فی احشائه الدر كامنٌ
فهل سألوا الغواص عن صدفاتی
كيف أضيق اليومَ عن وصفِ آلةٍ
وتنسيقِ اسماءٍ لمخترعاتِ
وسعتُ كتاب الله لفظاً و غايةً
وما ضِقتُ عن آيٍ به و عِظَاتِ

خلاصۂ کلام

بالآخر عربی زبان کی عظیم ترین خصوصیت اور روشن ترین خوبی و فضیلت یہ ہے کہ قرآن حکیم جیسی بے مثل کتاب اسی زبان میں نازل ہوئی۔ علیم و حکیم خدا نے اپنے آخری اتم و اکمل کلام کے لئے جو قیامت تک سرچشمۂ ہدایت ہے صرف اور صرف عربی زبان کو پسند اور منتخب فرمایا۔ حقیقت یہی ہے کہ قرآن حکیم کتابِ فطرت ہے اور عربی زبانِ فطرت۔ ازل سے یہی مقدر تھا کہ یہ فطری زبان خدا تعالیٰ کے آخری کلام کی نمائندگی کرے۔ ھذا ھو الحق والحقَّ أقول۔ جیسے یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہی درحقیقت وجہِ تخلیقِ کائنات ہے اسی طرح یہ بھی قابلِ تسلیم حقیقت ہے کہ عربی زبان کی ساری کائنات قرآن حکیم کے وجود سے وابستہ ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جس طرح ہم حدیثِ قدسی کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نہ ہوتا تو یہ ساری کائنات ہی نہ ہوتی اسی طرح ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر قرآن کریم کا نزول اس زبان میں مقدر نہ ہوتا تو اس زبان کا وجود بھی نہ ہوتا کیونکہ قرآن کریم نے ہی اس زبان کو حیاتِ جاوداں بخشی اور وہی اس کی رونق اور تازگی کا سرچشمہ ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمین ؛

دس سالہ خریدار معاونین

الفرقان کے دس سالہ خریدار معاونین نے رسالہ کی بروقت امداد کی تھی۔ جزاھم اللہ خیراً۔ اگرچہ اکثر احباب کے اصرار پر ان کے ناموں کی فہرست اب ہر ماہ شائع نہیں ہوتی مگر ان کے لئے دعا کا سلسلہ جاری ہے احباب سے بھی درخواست ہے کہ ان کے لئے دعا فرمائیں اس فہرست میں گزشتہ دنوں مندرجہ ذیل احباب بھی شامل ہو گئے ہیں (۱) خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب بصیرہ (۲) شیخ عبداللطیف صاحب راولپنڈی (۳) میرزا ناصر احمد نصر اللہ صاحب ہاشمی (۴) مرزا محمود احمد صاحب کوئٹہ۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء +

شذرات

۱۔ شاہ فیصل کا ایک مفید حکم

اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور لکھتا ہے :۔

" شاہ فیصل نے وزیر خارجہ و اقتصادیات کے نام ایک مراسلہ میں لکھا ہے کہ انہیں معلوم ہوا ہے کہ سرکاری محکموں کے اکثر ملازمین خصوصاً اعلیٰ افسر اپنے دفاتر میں نماز با جماعت ادا نہیں کرتے بلکہ صرف چپراسی اور نچلے درجہ کے دیگر ملازمین اس جماعت میں شریک ہوتے ہیں۔ لہٰذا سرکاری افسروں کو تنبیہہ کی جاتی ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ نماز باجماعت ادا کریں " (تنظیم اہلحدیث ۲۰ ستمبر ۶۶ء)

الفرقان ۔ جلالۃ الملک شاہ فیصل کا یہ فرمان بتلاتا ہے کہ حالت کہاں تک ابتر ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ شاہ فیصل کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے ایک خطرناک بیماری کے علاج کی طرف توجہ کی ہے۔ نماز نہ صرف دفتری اوقات میں ضروری ہے بلکہ پانچوں وقت نماز باجماعت فرض ہے۔

۲۔ منسوخ آیات قرآنیہ کا قصہ

ڈھاکہ سے ایک صاحب نے کراچی کے ایک رسالہ سے دریافت کیا کہ " فقہ کی معتبر کتاب شرح وقایہ میں ہے کہ جو انسان قرآن کی منسوخہ و غیر منسوخہ آیات سے واقف نہیں ہوگا وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکتا..... آپ بتائیں کہ قرآن میں کون کون سی آیتیں منسوخ ہیں یا سب آیات ہی غیر منسوخ ہیں ؟ "

صحیفہ اہلحدیث کراچی نے جواباً لکھا ہے کہ

" قرآن مجید کی چند ایک آیات کے علاوہ سب غیر منسوخ اور قابل عمل ہیں .... قرآن مجید کی چند آیات ایسی ہیں اور ان کی منسوخیت کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو بتلا دیا ہے باقی آیات قرآن مجید اپنی تلاوت اور اپنے حکم کے اعتبار سے اپنی جگہ مستحکم، غیر منسوخ اور قابل عمل ہیں "

(صحیفہ اہلحدیث اکتوبر ۶۶ء)

الفرقان ۔ جواب دینے والے عالم نے " چند ایک آیات " کے مبہم لفظ سے کچھ آیات قرآنیہ کو منسوخ قرار دیا ہے۔ ہمارا عقیدہ از رُوئے قرآن مجید یہ ہے اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ کہ اس کی سب آیات محکم ہیں ایک آیت بھی منسوخ نہیں۔ قائلین نسخ کے بیانات بے دلیل ہیں۔ ان کا باہمی اختلاف بتلا رہا ہے کہ اللہ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی آیت کو منسوخ قرار نہیں دیا۔ ورنہ پانچ سَو آیات سے لیکر پانچ آیات تک کا اختلاف علماء میں کیوں ہے۔ اے کاش! کہ مدیر صحیفہ اہلحدیث نے وہ حدیث نبوی ذکر کی ہوتی جس

میں حضور علیہ السلام نے بتلادیا ہے کہ فلاں فلاں آیت منسوخ ہے۔ ہماری تحقیق میں ایسی کوئی حدیث نبوی نہیں ہے۔

۳۔ سب سے بڑا جہاد اور مسلمانوں کی حالت

علماء نے راولپنڈی کے ایک جلسے میں کہا کہ:۔

"ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ جس قوم کی ایک نگاہ سے قیصر و کسریٰ لرز اُٹھتے تھے وہ زمین کے ہر گوشے میں ذلت و رسوائی کی زندگی گزار رہی ہے۔"

"مسلمانوں کی نجات اور اسلام کی سربلندی کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ قرآن و سنت پر پوری طرح عمل کیا جائے۔"

"اس دور میں سب سے بڑا جہاد قرآن و حدیث پر ایمان اور اسلام کی حفاظت ہے۔" (روزنامہ کوہستان راولپنڈی ۱۹ ستمبر ۱۹۶۶ء)

الفرقان:۔ بیماری اور علاج کی تشخیص تو درست ہے مگر اس سب سے بڑے جہاد کے لئے، قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے کے لئے جس عظیم یقین اور زندہ ایمان کی ضرورت ہے اس کے پیدا کرنے کی کیا صورت ہے؟

۴۔ ۱۹۵۳ء کے شور و ہنگامہ کے نقصانات

مدیر ماہنامہ میثاق لاہور ۱۹۵۳ء کے جماعت احمدیہ کے خلاف ہنگامہ و فسادات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ایک جذباتی و ہنگامی تحریک کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی دیر کے لئے تو خوب زور بندھا اور شور و ہنگامہ برپا ہوا لیکن اس کے بعد صورت یہ ہوئی کہ اب اس **مسئلے پر بات کرنا بھی ممکن نہیں۔** پھر خاص مسئلے کے علاوہ اس تحریک سے جو **نقصانات** اس ملک کو سیاسی و دستوری اور دینی و مذہبی ہر اعتبار سے پہنچے ان کا تذکرہ تحصیل حاصل ہے۔"

(میثاق لاہور۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء ص ۲۴)

الفرقان۔ ہر تحریک کا اچھا یا بُرا ہونا اس کے نتائج سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ مشہور مثل ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مدیر میثاق کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ سنجیدہ مسائل شور و ہنگامہ سے حل نہیں ہوا کرتے۔ ان کے لئے خلوص اور صدق دلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ابھی تک اہل علم اصحاب نے احمدیت کے متعلق سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا۔ ورنہ حقیقت کو پانے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

۵۔ حضرت محدث دہلویؒ کا پہلا ترجمۂ قرآن کریم اور علماء

روزنامہ جنگ راولپنڈی مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۶ء میں "شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ" کے زیر عنوان ایک مقالہ شائع ہوا ہے اس کا ایک اقتباس یہ ہے:۔

"حضرت شاہ ولی اللہ ان نامور لوگوں میں سے ہیں جنکو اسم بامسمّٰی کہا جاتا ہے، ماں باپ نے ولی اللہ نام رکھا تھا۔ نیک بخت الدین کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبول حاصل کر گئے۔ لائق فرزند نے اپنے علمی تبحر، تقویٰ اور اجتہاد سے اسلامی علوم کی نشوونما میں اس فراست و بصیرت سے کام لیا جو واقعی اولیاء اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے جرأت و بصیرت اور خود اعتمادی کا یہ کمال ہزار تحسین و توصیف کا مستحق ہے کہ قرآن حکیم کے ترجمہ کی بنیاد ڈالی یعنی سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ ظاہر ہے کہ ہر عہد میں ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن میں تحقیق اور دریافت کی خوبی نہیں ہوتی۔ وہ واقعات و حقائق اور معارف و بصائر پر ہوشمندانہ نگاہیں رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ عاقبت بینی، دوراندیشی اور مآل پروری کے اوصاف حمیدہ سے محروم ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ دستورِ کہن پر اڑتے ہیں اور اجتہاد سے گھبراتے ہیں۔

ایسے تمام لوگوں نے قرآن کے ترجمہ کی مخالفت کی اور عوام لوگوں کے ذہنوں اور نفسیات کو زہر آلود بنانے میں کوئی حیلہ باقی نہیں چھوڑا۔ معاندانہ لب و لہجے اختیار کئے اور اسلاف و اجداد کے طریقۂ کار کو بطور سند استعمال کیا۔ غرض کہ وہ لے دے ہوئی کہ اللہ کی پناہ! ذہنی کجروی کے بھرپور مظاہرے ہوئے! مگر حضرت شاہ صاحب نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس عالم باعمل نے جو راستہ اختیار کیا وہی احسن تھا۔"

الفرقان ۔ دنیا کے علماء ہر نیک تحریک اور ہر آسمانی مصلح کی مخالفت کرتے آئے ہیں حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں بھی ان کا یہی شیوہ رہا اور آج بھی ان کا یہی وتیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ آمین!

۶۔ علامہ علاؤ الدین صدیقی کے بارے میں روایت

لاہور کے رسالہ اردو ڈائجسٹ میں شائع ہوا ہے کہ:-

"اگر ہمارے استاذِ مکرم علاؤ الدین صاحب صدیقی کسی اہم مسئلہ پر گفتگو فرماتے تو رات کے گیارہ بارہ بھی بج جاتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار جھوٹے مدعیانِ نبوت پر بات چل نکلی تو جناب علامہ نے پوری اسلامی تاریخ لپیٹ کر رکھ دی اور آخر میں بڑے دلدوز لہجے میں فرمایا۔ تاریخ کے کسی بھی حصہ میں امتِ مسلمہ نے جھوٹے نبی کو برداشت نہیں کیا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھی جب تک اپنے آپ کو جھوٹے نبی کے ناپاک وجود سے پاک نہیں کر لیا لیکن اہل پنجاب کی بے غیرتی نے پوری اسلامی تاریخ کی غیرت کو مجروح کیا ہے! دیوانوں کو غیرت نہ آئی۔" (اردو ڈائجسٹ جولائی ۱۹۶۶ء)

الفرقان ہمیں اس اقتباس کی طرف بہت سے احباب نے توجہ دلائی ہے اور خواجہ گل محمد صاحب اور دوسرے بعض بزرگوں نے اس بارہ میں تردیدی مقالے بھی بھجوائے ہیں مگر ہمارا یقین ہے کہ مدیر رسالہ کی روایت ابھی قابلِ توثیق ہے۔ جہاں تک ہم علامہ علاؤ الدین صاحب صدیقی سے واقف ہیں وہ اس قسم کی بات نہیں کہہ سکتے کیونکہ علامہ صاحب خوب جانتے ہیں کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت، ریاست و حکومت کے طلبگار تھے، پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل کھڑے ہو کر اسلامی شریعت کے احکام کے نسخ کے دعویدار تھے اسی لئے ان کا حشر آیتِ قرآنی کے مطابق ناکامی و نامرادی ہوا۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا ایسا کوئی دعویٰ نہیں۔ آپ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور آپ کے امتی ہیں اور شریعتِ محمدیہ کا قیام

سوالات اور ان کے جوابات

(آئندہ ہر اشاعت میں یہ سلسلہ انشاء اللہ باقاعدہ جاری رہے گا —— ایڈیٹر)

(۱) • سوال۔ انسان گناہ سے کیوں بچے۔ کیا حکم الٰہی کو بجالانے کے لئے یا رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے یا دوزخ کی سزا کے ڈر سے؟ (از تنویر احمد تنزانیہ)

• ج۔ گناہ ایک گند ہے۔ فطرتِ صحیحہ کو اس سے طبعی نفرت ہے۔ گناہ سے انسان کو ہر لحاظ سے بچنا چاہیئے۔ گناہ کے ارتکاب سے حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے محروم ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت میں سزا ملتی ہے۔ ان ساری وجوہ سے گناہ کو ترک کرنا لازمی ہے۔

(۲) • سوال۔ اگر جزا سزا آخرت کے دن ہوگی تو اس دنیا میں لوگوں کو مصائب اور تکالیف کیوں آتی ہیں؟ (" ")

• ج۔ بعض گناہوں کی سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے اور بعض کی سزا آخرت میں ہی مل سکتی ہے جب تمام اعمال کے اثرات جمع ہو جائیں گے اور بعض ایسے گناہ ہوتے ہیں جن کی کچھ سزا فوراً اسی دنیا میں اور کچھ آخرت میں حکمتِ الٰہی کے ماتحت ملتی ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا کی تکالیف کا ایک حصہ قانون قدرت یا عام قانون کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہوتا ہے اس میں شریعت کے گناہوں کا دخل نہیں ہوتا

(۳) • سوال۔ کیا آپ کے نزدیک ہر وہ چیز داخلِ مذہب ہے جو قرآن شریف، اقوالِ ائمہ اور میزانِ عقل پر صحیح ثابت ہو؟ (سید حسن رضا ضلع دادو)

• ج۔ ہمارے نزدیک مذہب اور مذہبی عقائد کی بنیاد قرآن شریف ہے جو یقینی طور پر کلام اللہ ہے۔ احادیث نبویہ قرآن کریم کی مؤید ہوتی ہیں۔ اقوالِ ائمہ پر دین کی بنیاد نہیں البتہ وہ اقوال دین کے مطابق ہونے ضروری ہیں۔ قرآن مجید کی ہر بات معقول ہے کوئی بات عقل کے مخالف نہیں۔

(۴) • سوال۔ معجزاتِ انبیاء آپ کے عقیدہ کے مطابق مجازی ہیں حقیقی یا لغوی نہیں۔ مثلاً احیاءِ موتیٰ سے مراد آپ کے نزدیک حضرت مسیح کا گمراہ قوم کو زندہ کرنا ہے، ظاہری مُردوں کو زندہ کرنا نہیں؟ (" ")

• ج۔ معجزہ کی غرض مخالفین پر اتمام حجت ہوتی ہے۔ ہم معجزاتِ انبیاء کے قائل ہیں مگر ہر معجزہ کے مادی ہونے کے بارے میں ہمیں قرآنی رہنمائی میں عوام کے خیالات سے اختلاف ہے۔ ہم انبیاء علیہم السلام کے احیاءِ موتیٰ کے قائل ہیں اور ہمارے نزدیک

سب سے عظیم اور شاندار احیاءِ موتیٰ ہمارے
سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ظہور پذیر ہوا لیکن یہ روحانی معجزہ ہے
ہم مادی طور پر مُردوں کے اس دنیا میں زندہ
ہونے کے قائل نہیں کیونکہ قرآن مجید فرماتا
ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا
الْمَوْتَ (الزمر: ۴۲) کہ اللہ تعالیٰ اُس
روح کو اس دنیا میں آنے سے روکے رکھتا
ہے جس پر اُس نے حقیقی طور پر موت کو وارد
کر دیا۔

(۵) • س۔ شق القمر کے معجزہ کے متعلق آپ کا کیا
خیال ہے۔ آیا یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا یا نہیں؟
(" ")

• ج۔ یہ واقعہ ضرور ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس کے
ظہور پذیر ہونے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے
صرف اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس کا
ظہور عالَم کائنات میں مادی طور پر ہوا یا عالَمِ
کشف میں ہوا تھا؟ ہر دو نقطہ ہائے نگاہ
اپنی اپنی جگہ پر قابلِ تسلیم ہیں۔

(۶) • س۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو غیر زبانوں
میں کیونکر الہام ہو سکتا ہے جبکہ قرآن مجید میں
موجود ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا
بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (عبداللطیف راجپوت مرات)

• ج۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمانؑ کا قول ہے
عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (النمل: ۱۶) کہ ہمیں
پرندوں کی زبان سکھائی گئی۔ علماء یہی مانتے ہیں
کہ حضرت سلیمانؑ کو سب پرندوں کی بولیاں سکھائی
گئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سکھانا بجز الہام ناممکن
ہے اسلئے غیر زبانوں میں الہام کا مسئلہ حل
ہو جاتا ہے۔

آیت کریمہ وما ارسلنا من رسولٍ
الا بلسانِ قومہٖ سے اصل مراد تو یہ ہے کہ
مخاطب قوم کی زبان میں نبی کو اقتدار بخشا جاتا
ہے۔ حدیث نبوی اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ
اس کی تائید کرتی ہے۔ اگر بلسان قومہٖ سے
الہام ہی مراد لیا جائے تو قوم سے مراد
بہت وسیع ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی مخاطب
اقوامِ عالم ہیں اسلئے آپؑ پر غیر زبانوں میں الہام
ہونے میں کوئی استبعاد نہیں سب زبانیں آپ کی
مخاطب قوموں کی زبانیں ہیں۔

(۷) • س۔ اگر کہا جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعوےٰ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تمام دنیا
کے لئے ہے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کسی
دوسری زبان میں الہام ہوا؟

• ج۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی زبان میں جو
ام الالسنہ ہے قرآن پاک ایسی کامل شریعت دی گئی اسلئے
آپؐ کو عربی کے سوا دوسری زبان میں الہام کی ضرورت نہ
تھی۔ بعض روایات میں ایک فارسی الہام نبوی "این مشت
خاک را گر نہ بخشم چہ کنم" مروی ہے +

مستشرقین کے ایک اعتراض کا جواب

یَا اُخْتَ ھَارُوْنَ

(جناب میاں فضل کریم صاحب فارانی ایڈووکیٹ بھیرہ)

اللہ تعالیٰ ایسے دشمنانِ اسلام کی عقل و دانش پر پردے ڈال دیتا ہے جو اپنے آپکو بڑے دانشور اور ماہرِ علوم سمجھ کر قرآن کریم پر بلا سوچے سمجھے اعتراض کرتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں اپنے اعتراض کو ایسا ٹھوس سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ حالانکہ اکثر ایسے اعتراضات ان کے اپنے مسلّمات کے خلاف ہوتے ہیں۔ انہیں کافی و شافی جواب مل جاتا ہے پھر بھی وہ ناواقف اور کم علم مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرنے کی غرض سے ایسے اعتراض بار بار اچھالتے رہتے ہیں۔ ایسے اعتراضات میں سے ایک اعتراض اُمّ عیسیٰؑ مریم صدیقہ کو قرآن میں اُخت ھارون کہنے سے متعلق ہے

میرے ایک پرانے دوست نے جو عیسائی ہیں اور بڑے تجربہ کار ڈاکٹر اور اپنے مذہب سے بڑا شغف رکھتے ہیں ایک مرتبہ مجھے بڑی سنجیدگی سے کہا کہ مسیح نظر قرآن کریم کے دیگر اختلافات کے مجھے قرآن کے ایک بیان سے سخت حیرت اور تعجب ہوتا ہے کہ اس نے تاریخی واقعات کے صریحاً خلاف یسوع مسیح کی والدہ مریم کو اُخت ھارون بیان کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت ہارونؑ تو حضرت مریم سے چودہ سو سال قبل گزر چکے تھے وہ ان کی بہن کس طرح ہو سکتی تھی یہ تاریخ سے ناواقفیت اور نعوذ باللہ قرآن لکھنے والے کی لاعلمی پر مبنی ہے۔

بظاہر یہ اعتراض معقول معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا غور و تدبر کیا جائے تو اس کا بودا پن ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ ایک پرانا اعتراض ہے جو مخالفینِ اسلام عیسائیوں نے خود حضرت بانیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام (فداہ امی و ابی) پر بھی کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نہایت مختصر اور مسکت جواب دیا تھا مگر مخالفین اسلام محض اعتراض کی خاطر اسے دہراتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو میں نے مختصراً وہی جواب دیا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے تفسیر صغیر کے حاشیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کی روشنی میں دیا ہے جو یہ ہے کہ "مسیحی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے جہالت سے مریم اُمّ عیسیٰؑ کو وہ مریم سمجھ لیا ہے جو ہارونؑ اور موسیٰؑ کی بہن تھی مگر ان کا اعتراض خود انکی جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ تمام اقوام میں رواج ہے کہ بچوں کے نام بزرگوں کے نام پر رکھتے ہیں۔ مریم کے کسی بھائی کا نام بھی اگر ہارون ہو تو کیا تعجب ہے۔ اُسے موسیٰؑ کا بھائی قرار دینا خود مسیحیوں کی ایجاد ہے قرآن مجید نے ایسا نہیں کہا۔ یہ سوال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

بھی کیا گیا تھا اور آپؐ نے وہی جواب دیا تھا جو میں نے دیا ہے۔ دیکھو فتح البیان جلد ۶ صفحہ ۱۶۔"

میں نے ڈاکٹر صاحب سے یہ بھی کہا کہ میں انکی نسبت مزید تحقیق کر کے تفصیلی جواب پھر لکھوں گا۔ دراصل میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ بہت ممکن ہے مسیحی مستند کتب میں حضرت مریمؑ آپ کے ماں باپ، بھائی بہنوں کے نام اور تفصیلی حالات مل جائیں۔ اور اگر ان کے کسی بھائی کا نام ہارون ہوا تو مذکورہ بالا جواب کی تائید میں یہ بڑی زبردست دلیل ہوگی مگر میرے دل میں اسکے ساتھ یہ بات بھی کھٹکتی تھی کہ مسیحی کتب میں ان کے نام اور حالات ملنے پر اُن کے کسی بھائی کا ہارون نام نہ ہوا تو خواہ وہ روایت مستند ہو یا غیر مستند مسیحی اسے اُچھالیں گے اور اُس کی روشنی میں قرآن کریم کا بیان غلط قرار دینے کی کوشش کریں گے۔

لیکن میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب تحقیق کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اُمّ عیسیٰ جس کی بعض مسیحی فرقے بُت بنا کر پوجا کرتے ہیں اور انہوں نے اسے خدائی کا رتبہ دے رکھا ہے اُس کے ماں باپ بھائی بہنوں یا قبیلہ کے نام تک کا کسی مستند مسیحی کتاب میں پتہ نہیں چلتا بلکہ اتنے مختصر حالات بھی تمام عیسائی لٹریچر میں نہیں ملتے جتنے کہ قرآن کریم نے بیان کئے ہیں یعنی بھائی کا نام اور قبیلے کا نام۔ ہاں انجیل میں مریم کی نسبت صرف اتنا لکھا ملتا ہے کہ وہ الیشبع (الزبتھ) کی جو ہارون کی اولاد میں سے تھی رشتہ دار تھی (لوقا ۱/۳۶) اور الیشبع زکریا کی بیوی تھی جو ابیاہ کے فریق سے ایک کاہن تھا (لوقا ۱/۵) لیکن اِس بیان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مریم کس قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی کیونکہ مختلف اسرائیلی قبیلوں میں باہم شادیاں ہوا کرتی تھیں جیسا کہ زکریا اور الیشبع کا الگ الگ قبیلوں میں سے ہونا خود انجیل بیان کرتی ہے۔ البتہ غیر مستند مخفی مسیحی کتب میں جنہیں عیسائی دنیا اپوکرفا کے نام سے موسوم کرتی ہے صرف یہ بات قصے اور کہانی کے رنگ میں بیان کی گئی ہے کہ اُمّ عیسیٰ مریم کی ماں کا نام انا اور باپ کا جوشیم تھا جنہیں آخری عمر میں معجزانہ طور پر بیٹی مریم عطا ہوئی تھی مگر مریم کے بھائی بہنوں کا ذکر ان غیر مستند کتب میں بھی نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں جبکہ خود عیسائیوں کے پاس کوئی مستند یا غیر مستند تردیدی ثبوت یا کوئی اشارہ بھی مریم کے بھائیوں کے نام سے متعلق موجود نہیں ہے تو انکا قرآن کریم کے بیان کردہ نام کو محض ایک خیالی بناء پر تاریخی واقعات کے خلاف قرار دینا انتہائی جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

قطع نظر ان صریح اختلافات کے جو انجیل متی اور انجیل لوقا میں بیان کردہ یسوع مسیح کے نسبناموں میں پائے جاتے ہیں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ متی میں مذکورہ نسبنامہ درحقیقت یوسف کا ہے "جو اُس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے" (متی ۱/۱۶) اور اسی طرح لوقا کا پیش کردہ شجرہ نسب بھی یوسف کا ہی ہے۔ اس کے شروع کرتے ہی لوقا لکھتا ہے کہ "جب یسوع خود تعلیم دینے لگا تو قریباً تیس برس کا تھا (اور جیسا کہ سمجھا جاتا ہے) یوسف کا بیٹا تھا۔" (لوقا ۳/۲۳)

متی کے پیش کردہ نسب نامہ یسوع سے متعلق اس کے آخری فقرے اور لوقا کے بین القوسین فقرے سے یسوع مسیح کے نسب نامے کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ لیکن ان سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسیحی معترضین کو اُخت ہارون سے متعلق دیا ہُوا جواب کہ لوگ اپنے بچوں کے نام اپنے بزرگوں کے نام پر رکھا کرتے ہیں ایسا تھا جس نے ان کا مُنہ بند کر دیا تھا۔ ان نسب ناموں میں یوسف یعقوب وغیرہ نام بار بار آتے ہیں یسوع کا باپ یوسف اور یوسف کا باپ یعقوب لکھا ہے باپ بیٹے کے بالکل وہی نام ہیں جو دو ہزار سال قبل بنی اسرائیل کے مورثِ اعلیٰ حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ کے تھے۔ کیا اس توارد سے کوئی یہ کہنے میں حق بجانب ہوگا کہ انجیل نے تاریخی واقعات سے لاعلمی کی بناء پر یہ نام بیان کئے ہیں ؟

ہارون نام یہودیوں میں اور ہارون اور مریم دونوں نام مسیحیوں میں اب بھی مقبول ہیں۔ بڑے شریعت موسوی حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد رتبہ ہے اور تمام اسرائیلی عبادات و مناسک کی قیادت و سیادت حضرت ہارونؑ اور آپ کی اولاد کی اجارہ داری ہے مریم ہارون کی بہن تورات کی رُو سے اتنی بڑی بزرگ عورت نہیں تھیں کیونکہ وہ ایک گناہ کے باعث برص میں مبتلا رہی تھیں لیکن اس کے باوجود مریم اُمِ عیسیٰؑ کے زمانے کے اسرائیلیوں میں مریم نام اتنا مقبول تھا کہ اکثر نیک و بد اپنی بیٹیوں کا یہی نام رکھا کرتے تھے جس کی انجیل سے تائید ہوتی ہے۔ (۱) مریم اُمّ عیسیٰؑ (۲) مریم اُمّ جیمز خورد و یوسیس (متی ۲۷/۵۶-۶۱) - (۳) مریم زوجہ کلوپاس (یوحنا ۱۹/۲۵) - (۴) مریم اخت مرتھا (لوقا ۱۰/۳۹-۴۲) (۵) مریم میگدلانی (لوقا ۸/۲) - (۶) مریم اُمّ یوحنا (اعمال ۱۲/۱۲) - (۷) مریم (رومیوں ۱۶/۶)

ان ناموں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض اشخاص کے نام امتیاز کے لئے جیسا کہ اب بھی دنیا میں رواج پایا جاتا ہے کسی رشتہ دار کے نام کے ساتھ یا کسی اور خصوصیت کی نسبت سے یاد کئے جاتے تھے۔ یسوع کی پیدائش اور پھر آپ کی بعثت سے قبل مریم کا اس رواج کے مطابق اپنے کسی بھائی ہارون نامی کی نسبت سے اخت ہارون سے یاد کیا جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔

تعجب ہے کہ اب تو یہودی اور عیسائی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے اتنا بغض و عناد رکھتے ہیں کہ انہیں آپ کے نام سے بھی چڑ ہے اور آپ کو یہ لوگ محرّف و مبدّل اور اختلافات سے پُر بائیبل کے رُو سے کنیزک زادہ اور ابراہیمی برکات اور ورثہ سے محروم قرار دیتے ہیں لیکن ایک زمانہ تھا کہ بڑے بڑے اسرائیلی خاندان آپ کو اپنا بزرگ سمجھ کر اپنے بچوں کے نام تبرکاً اسمٰعیل رکھا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہوں بائیبل کے چند حوالے :-

۱ - اسمٰعیل بن اصیل جو ساؤل کی نسل سے تھا۔ (تاریخ ۱ ۸/۳۸ - ۹/۴۴)

۲ - اسمٰعیل زبدیاہ کا باپ جو یہوداہ کے خاندان کا پیشوا اور یہوسفط کے عدلیہ کا ایک عہدیدار تھا۔ (۲ - تاریخ ۱۹/۱۱)

۳ - اسمٰعیل بن یہوحنان جو یہویدع کا ساتھ دینے والے فوجی عہدیداروں میں سے تھا۔ (۲ - تاریخ ۲۳/۱)

۴ - اسمٰعیل بن نتنیاہ بن الیسمع جو شاہی خاندان سے اور بادشاہ کے سرداروں میں سے تھا۔ (یرمیاہ ۲/۱۲-۱۶ ، ۴۱/۱۸-۱)

۵ - اسمٰعیل - ان کاہنوں میں سے ایک جنہیں عزرا نبی نے تلقین کی تھی کہ وہ اپنی غیر قوم بیویوں کو طلاق دیدیں۔ (عزرا ۱۱/۲۲)

پس تمام اقوام کے رواج ، تاریخی واقعات اور خود بائیبل کی اندرونی شہادت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آج سے چودہ سو سال قبل دیئے ہوئے جواب کی پُرزور تائید ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم کا حضرت مریم صدیقہ کو اُخت ھارون کہہ کر یاد کرنا کسی طرح تاریخی واقعات کے خلاف ثابت نہیں ہوتا +

القرقان کے اشاعت فنڈ

میں حصہ لے کر

اس کی مالی حالت کو مضبوط بنائیے!

حدیث نبویؐ میں جماعت احمدیّہ کی خبر

"سیکونُ فی آخرِ ھٰذہ الامّۃِ قومٌ لھم اجر اَولھم یأمرونَ بالمعروفِ وینھونَ عن المنکرِ ویقاتلونَ اھل الفتن۔

اس اُمّت کے آخری عہد میں ایک ایسی قوم معرضِ وجود میں آئیگی جنہیں اس قسم کا اجر عطا کیا جائیگا جو اس اُمّت کے اوّلین زمانے صحابہؓ کے عہدِ سعادت میں عطا کیا گیا۔ یہ قوم بھلائی کا حکم دیگی۔ بُرائی سے روکے گی اور فتنہ پسندوں سے جہاد کریگی۔

جو لوگ اس دوہرے فرض کو انجام دیں ان ہی کے لئے یہ نوید سنائی گئی ہے کہ اگرچہ وہ آخری زمانہ میں جو درحقیقت شر وفساد کا زمانہ ہے پیدا ہوں گے لیکن چونکہ انہوں نے وہ کام کیا جو درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد ہے اسلئے انہیں رحمتِ عالم کا قرب اس حد تک حاصل ہوگا کہ انہیں ایسے فضل وکرم اور اجر و ثواب سے نوازا جائیگا جو عہدِ رسالت میں جاں نثارانِ رسولؐ۔ صحابہ کرامؓ کو عطا کیا گیا۔" (المنبر لائلپور ۲۰ ستمبر ۱۹۶۸ء ص ۹)

الفرقان۔ ہر خدا ترس اس حدیث نبوی پر غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس آخری زمانہ میں پیدا ہونیوالی اس جماعت کی پیشگوئی ہے جس کا شعار بجز تبلیغ و دفاعِ اسلام کچھ نہ ہوگا۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلے گی۔ انہی کے ذریعہ سے آخری زمانہ میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ ہوگی۔ ہر بینا آنکھ دیکھ سکتی ہے کہ یہ پیشگوئی جماعت احمدیہ پر حرف بحرف منطبق ہوتی ہے۔ صدق اللہ العظیم وصدق نبیّہ الکریم +

حاصلِ مُطالعہ

دیوبند شریف میں کشفی خون کے قطرے

مؤقر ہفت روزہ "رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ مجریہ ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ "بیداری یا آمد و رفت" کے عنوان سے بحوالہ ملفوظات مولانا اشرف علی تھانوی لکھتا ہے :-

"مولانا اسماعیل کے قافلہ میں ایک شخص شہید ہو گئے جن کا نام بیدار بخت تھا یہ مجاہد دیوبند کے رہنے والے تھے۔ ان کی شہادت کی خبر دیوبند میں آ چکی تھی۔ ان کے والد حشمت علی خان حسبِ معمول دیوبند میں اپنے گھر میں ایک رات تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے تو گھر کے باہر گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آئی - انہوں نے دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ ان کے بیٹے بیدار بخت ہیں۔ بہت حیرانگی بڑھی کہ یہ تو بالاکوٹ میں شہید ہو گئے تھے رات گئے یہاں کہاں ؟ بیدار بخت نے کہا جلدی کوئی دری وغیرہ بچھا دیجئے حضرت مولانا اسماعیل صاحب اور سید صاحب یہاں تشریف لا رہے ہیں حشمت خان نے فوراً ایک بڑی چٹائی بچھا دی اتنے میں سید صاحب اور مولانا شہید اور چند دوسرے رفقاء بھی آ گئے حشمت خان صاحب نے محبتِ پدری کی وجہ سے سوال کیا کہ تمہارے کہاں تلوار لگی تھی۔ بیدار بخت نے سر سے اپنا ڈھاٹا کھولا اور اپنا نصف چہرہ اپنے دونو ہاتھوں میں تھام کر اپنے باپ کو دکھایا کہ یہاں تلوار لگی تھی حشمت خان نے کہا کہ بیٹا یہ ڈھاٹا پھر باندھ لو۔ مجھ سے یہ نظارہ نہیں دیکھا جاتا۔ تھوڑی دیر بعد یہ تمام حضرات واپس تشریف لے گئے۔ صبح کو حشمت خان کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں خواب تو نہیں تھا ؟ مگر چٹائی کو جو غور سے دیکھا تو خون کے قطرے موجود تھے - یہ وہ قطرے تھے جو بیدار بخت کے چہرے سے گرتے ہوئے انکے والد نے دیکھے تھے - اور ان قطروں کو دیکھ کر حشمت خان سمجھ گئے کہ یہ بیداری کا واقعہ ہے خواب کا نہیں - اس قصہ کی خبر مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے والد ماجد مولانا مملوک علیؒ کو ہوئی تو وہ اس قصہ کی تحقیق کے لئے دیوبند تشریف لے گئے اور حشمت خان سے اس واقعہ کو خود سُنا۔ مولانا محمد یعقوب کے والد نے خود یہ واقعہ مولانا محمد یعقوب کو سُنایا تھا اور مولانا یعقوب نے مجھ سے (مولانا اشرف علی تھانوی سے) یہ واقعہ بیان کیا۔ اس حکایت کے اور بھی کئی راوی ہیں"

{بحوالہ ہفت روزہ چٹان ۲۴ دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۳ بحوالہ ملفوظات اشرف علی تھانویؒ صفحہ ۳۰۹ -}

(مرسلہ عزیز الرحمٰن منگلا)

تقاضا

(جناب مولوی نسیم سیفی صاحب ربوہ)

مرے رفیق، مرے ہمسفر، مرے ہمدم
غمِ زمانہ میں شامل ہے آپ کا بھی غم

مری نوا ہے اگرچہ نوائے زیر لبی
ہر اک طرف ہے صدا کے ہجوم کا عالم

کبھی جو خاکِ رہِ یار چوم لی میں نے
سرورِ خلدِ بریں کا بھی کھل گیا ہے بھرم

نگاہ جن کی مروّت سے آشنا ہی نہیں
خدا نہ دے کبھی ان کو قیادتوں کا عَلَم

گلوں کو راس نہ آئی صبا کی نرم روی
کبھی تو اشک چھلکتے ہیں صورتِ شبنم

قریب تر نہ ہو کیوں منزلِ مراد کہ جب
زمیں سے اُٹھ کے پڑیں کہکشاں پہ میرے قدم

وفائے عشق و محبت کا یہ تقاضا ہے
کسی کی راہ پہ چلتا رہوں قدم بہ قدم

چھپا لئے ہو نہ اظہار کر رہے ہو نسیم
دبی دبی سی زباں، اور بات بھی مبہم

ساقی نامہ

دربارہ نظامِ خلافت

(نتیجۂ فکر جناب ڈاکٹر راجہ نذیر احمد صاحب ظفر ایل۔ایل بی)

(۱)

اٹھا دے میری نظر سے پردہ ہٹا دے دل کا حجاب ساقی
مٹا دے ہر نقشِ غیر دل سے پلا دے ایسی شراب ساقی

اُلجھ رہا ہوں میں رنگ و بُو میں بھٹک رہا ہوں میں ہاؤ ہُو میں
جمال کا اپنے ایک جلوہ اُٹھا کے رنگیں حجاب ساقی

امامِ علم و ہُنر بنایا تھا جس کتابِ مبیں نے ہم کو
ستم یہی ہے کہ اُس سے خالی ہے آج اپنا نصاب ساقی

جنونِ تہذیبِ مغربی میں سراغ اپنا بھی کھو رہے ہیں
ڈبو گیا بحرِ تشنگی میں علومِ نو کا سراب ساقی

پھریرے جاہ و حشم کے اُڑتے ہیں زور بازو سے مَتوں کے
مگر ہے مرغوب دوستوں کو سرود و چنگ و رباب ساقی

عجم تو کیا خود عرب میں بھی اب ہوتی ہے اُمّت کی پائمالی
دہائی تیری کہ مضطرب ہے دلِ رسالت مآب ساقی

غضب حکومت ہے آمروں کی ستم ہے جمہور کی خدائی
نہ اِنکے ظلموں پہ کوئی قدغن نہ اُن پہ ہے احتساب ساقی

کہاں ہے قانون کی حکومت؟ ہے کون قانون کا محافظ؟
مرے سوالوں کا آج دنیا نہ دے سکے گی جواب ساقی

پسندِ خاطر ہے کیوں خرد کو یہ آگ اور خون کا تماشا
نہیں ہے اہلِ خرد میں کیوں کوئی عشق سے فیضیاب ساقی

شمال مشرق سے بھوک کا سیلِ آتشیں اور بڑھ رہا ہے
سمجھ کے اس کو "نیا سویرا" ہوئی ہے کیا ب ساقی

خبر پیمبرؐ نے جس کی دی تھی وہ فقر اُٹھا ہے کفر بن کر
ہر ایک قصرِ مدافعت جس کے سامنے ہے حباب ساقی

ہما ہمی ہر جگہ ہے ظاہر ہے شش جہت کشمکش نمایاں
زمین کروٹ بدل رہی ہے فلک میں ہے اضطراب ساقی

نزع میں ہے اک جہانِ کہنہ نظامِ نو ہو رہا ہے پیدا
خطر یہی ہے بھٹک نہ جائے کہیں نیا انقلاب ساقی

چمک رہے ہیں یہ چاند سورج پہ ظلمتیں ہیں کہ بڑھ رہی ہیں
عرب کا دے آفتاب ساقی عجم کا دے ماہتاب ساقی

یزیدیت خون پی رہی ہے حسینیت تشنہ لب ہے یارب!
پلا دے نظرِ کرم سے لیکن شتاب ساقی شتاب ساقی

(۲)

حُسینیت رنگ لا رہی ہے یزیدیت مٹ رہی ہے ہر دم
قیامِ امن و اماں دینگے ہم اب ستم کا جواب ساقی

بھڑک رہی ہے اگرچہ دوزخ پہ تیرے مستوں کو فکر کیوں ہو
برس رہا ہے ہمارے سر پہ ترے کرم کا سحاب ساقی

مری رگِ جاں سے بھی قریں ہو سوالِ ہجر و وصال کیسا
مَیں تیرے سایہ میں جی رہا ہوں حضور ہو یا غیاب ساقی

ہماری جنّت ؟ ہماری دوزخ ؟ رضا و ناراضگیٔ جاناں
نہ ہم کو حرصِ ثواب ساقی نہ ہمکو خوفِ عذاب ساقی

طریقِ روحانی میکدے کا یہ کتنا دلکش ہے کتنا پیارا
اُسی کو چُنتے ہیں سارے سرکش کرے جسے انتخاب ساقی

وہ تیرا ناصر ہے میرِ محفل کہ جسکے سینے میں ضو فشاں ہیں
علوم و حکمت کی مشعلیں اور تیری اُمّ الکتاب ساقی

یہ ہاتھ جو ہاتھ میں ہے سب کے یہ تیری حبلِ متیں ہے مولیٰ
نظام وابستہ جس سے ہم ہیں جہاں میں ہے لاجواب ساقی

یہ ہے نبوّت کا اک تسلسل یہ ہے رسالت کا اک تتمّہ
چلا رہا ہے خود اس کی نبضیں دلِ رسالت مآب ساقی

سپرِ امامت کی دیکھے ہم کو بچا لیا شورشِ عدو سے
ترے تشکّر میں جُھک رہی ہے جبینِ ہر شیخ و شاب ساقی

یہ ہیں خلافت کی برکتیں ہم بڑھے ہیں دیں کے عَلَم اٹھائے
ہے سرنگوں رایتِ ضلالت ہے زہرہ کفر آب ساقی

خبر وہ فضلِ عمر کی پوری ہوئی کہ آئے ناصرِ دیں
جلو میں فتح و ظفر لیے اور نصرتیں ہمرکاب ساقی

حصارِ امن و اماں میں ان کو بھی جو ہم سے بچھڑ گئے ہیں
جو چھوڑ کر شہرِ عافیت کو ہوئے ہیں ناحق خراب ساقی

ہماری بزمِ طرب کی رونق نہ کم ہوئی قادیاں سے آکر
جمائی پیرِ مغاں نے محفل یہاں کنارِ چناب ساقی

حجاز کے میکدے سے لاکر ہم آج ربوہ سے بانٹتے ہیں
چھلک رہا ہے اسی سے ملّت کے رُخ پہ تازہ شباب ساقی

ہماری نازش تو ہے خلافت کھُلا رہے تا ابد ہمیشہ
یہ تیرے فضلوں کا در خدایا یہ تیری رحمت کا باب ساقی

درود اُس پر سلام اُس پر کہ جس نے تیرا پتہ دیا ہے
لنڈھائی ہے جس نے تشنہ روحوں کے مٹکے والے حساب ساقی

ہم اُسکی اُلفت میں جی رہے ہیں ہم اُسکی عزّت پہ مر رہے ہیں
ہماری موت و حیات عشقِ نبی سے ہے کامیاب ساقی

اگرچہ کمزور و ناتواں ہوں پہ شاہِ کونین کا جواں ہوں
عطا مجھے نورِ حیدری کر بلند ہے انتساب ساقی

ظفرؔ کو بھی سرفراز کر دے ہو تیرے قدموں کی اوج ظاہر
مَیں تیرے پاؤں میں آگرا ہوں اے میرے عالیجناب ساقی

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب فاضل مرحوم کی یاد میں!

دو سال ہونے کو ہیں کہ ہمارے نہایت عزیز بھائی محترم شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم اس دارِ فانی سے کوچ کر کے اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے تھے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

محترم شیخ صاحب کی خدمات دینیہ اور ان کی نیکی و تقویٰ کا ذکر نئی نسل کے لئے ایک بابرکت چیز ہے۔ قومیں اپنے بزرگوں کو یاد رکھتی ہیں اور اپنے آنے والے جوانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتی ہیں۔

اپنے پیارے عزیز بھائی کی یاد کے طور پر اور اس مبارک نصب العین کے پیش نظر میں اس شمارہ میں مرحوم کے بارے میں بعض مقالات اور تاثرات شائع کر رہا ہوں۔ ٹائیٹل کے اندر ان کا فوٹو بھی چھپ رہا ہے۔

احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے، ان کے اہل و عیال کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین یا رب العالمین۔

خاکسار

ابوالعطاء جالندھری

(یکم اکتوبر ۱۹۶۸ء)

حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؓ کا ذکرِ خیر

(محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر)

زیستن در خدمتِ دینِ متیں — بر زمیں خلدِ بریں باشد ہمیں
عبدِ قادر از سرِ صدق و صفا — صرف کردہ عمر در تبلیغِ دیں
واعظِ عذب البیاں طلب اللساں — ناشرِ توحیدِ ربّ العالمیں
نقشِ تحریرش سراپا دلربا — طرزِ تقریرش بغایت دلنشیں
مردِ عارف زاہدِ شب زندہ دار — ہوشمند و صاحبِ رائے رزیں
بے ریا بے نفس بے خود بے غرض — حاملِ مہر و وفا نعم القریں
مہربان و خاکسار و نرم خُو — سیرتش ہموار و صافش گُزیں
خاکساری گوہرے باشد ہمے — در تہ دریا بود دُرِّ ثمیں
رفت ما را ہست اندر یادِ او — چشم گریاں سینہ بریاں دل حزیں
مرگِ عالِم بُود مرگِ عالَمے — عالَمِ عالِم شد جہاں اندوہگیں

بادِ او در حضرتِ ربّ الانام
شادمند و شاد بہر و شادکام

محترم شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم

(از قلم جناب مرزا عبدالحق صاحب سرگودھا)

محترم شیخ عبدالقادر صاحب ایک بہت نیک نفس انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نو عمری میں ہی ہندو مذہب چھوڑ کر احمدیت کے قبول کی سعادت عطا فرمائی۔ اس سے خویش و اقربا اور برادری کو چھوڑنا پڑا اور مالی سہارے بھی ختم ہو گئے لیکن آپ نے یہ سب کچھ بڑے صبر اور استقلال سے برداشت کیا اور صدق اور اخلاص کا نمونہ دکھایا آپ نے دینی تعلیم حاصل کی اور زندگی وقف کر کے ساری عمر خدمت دین میں گزار دی مختلف جگہوں پر بطور مربی متعین رہے اور اصلاح و ارشاد کے کام کو نہایت محنت اور تندہی سے سر انجام دیتے رہے۔ سرگودھا میں بھی مربی رہے۔ ان کے علم اور تقویٰ کا سب پر اثر تھا۔ میرے ساتھ ہمیشہ دلی تعاون فرماتے اور کسی وقت بھی اختلاف کی کوئی صورت پیدا نہ ہونے دیتے۔

آپ ماشاء اللہ اچھے پائے کے عالم دین تھے۔ طبیعت اور لباس میں بہت سادگی تھی۔ سادگی کے ساتھ علم ایک کشش رکھتا ہے۔ آخری سالوں میں آپ نے کئی ایک کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے "حیات طیبہ" خاص طور پر مقبول ہوئی۔ سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بہت عمدہ کتاب ہے۔

آپ کی طبیعت میں خودداری بھی بہت تھی۔ سوال کرنا گوارا نہ کرتے۔ اگر کوئی خدمت کرنا چاہتا تو اسے بھی قبول کرنے میں تامل کرتے۔ ایک مرتبہ ربوہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی پھٹی ہوئی پگڑی دیکھ کر ایک پگڑی بطور تحفہ بھیجی۔ میں بھی ربوہ گیا ہوا تھا آپ میرے پاس تشریف لائے اور مشورہ مانگا کہ پگڑی واپس کرنی مناسب تو نہ ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ اسے ایک بزرگ کا تحفہ سمجھ کر رکھ لینا چاہیئے۔ اس پر وہ اسے رکھ لینے کی طرف مائل ہوئے۔

غرض آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ہمارے مربیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ مالی تنگیوں کو خوشی سے برداشت کریں۔ نہایت محنت اور محبت سے کام کریں۔ صبر اور استقلال کا اعلیٰ نمونہ دکھائیں اور علم دوست ہوں۔ اللہ تعالیٰ محترم شیخ صاحب مرحوم کو اپنے قرب میں جگہ دے اور ان کے بچوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے نام کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین +

اُخروی امتحان کی تیاری

"اب میرا کام ختم ہو چکا ہے"

(مکرم شیخ عبد الہادی صاحب پسر جناب شیخ عبد القادر صاحب مرحوم)

تالیف و تصنیف میں خدا تعالیٰ کی خاص نصرت حضرت ابا جان مرحوم کے شامل حال رہی۔ اس کا اندازہ آپ کی اس تحریر سے بھی ہو جاتا ہے جو کہ آپ کے کاغذات سے بعد از وفات ملی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

"جیسا کہ میں حیاتِ طیبہ میں لکھ چکا ہوں حیاتِ طیبہ کی تالیف سے قبل مجھے بار بار خواب میں یہ آوازیں آتی تھیں کہ "امتحان کی تیاری کر لو" "امتحان کی تیاری کر لو" اس پر میں نے سمجھا کہ امتحان سے مراد اُخروی امتحان ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے ضرورتِ وقت کے ماتحت حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے سوانح حیات لکھنے شروع کر دیئے۔ الحمد للہ کہ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور اس کے بہت جلد جلد دو ایڈیشن نکل گئے۔ کتاب مذکور کا بنگالی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد میں نے اصحاب احمد جلد ہفتم میں حضرت استاذی المکرم ماسٹر عبد الرحمٰن صاحبؓ سابق مہر سنگھ کے سوانح حیات میں پڑھا کہ آپ ایک دفعہ آشوب چشم سے بیمار ہو گئے۔ حضرت مولانا حکیم نور الدینؓ (خلیفہ اوّل) نے بہت علاج کیا مگر ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بالآخر آپ نے فرمایا کہ "میاں خطرہ ہے تمہاری آنکھیں ضائع نہ ہو جائیں۔"

حضرت مولانا کا یہ فقرہ سُن کر آپ بہت گھبرائے اور آخر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ حضورؑ نے

فرمایا
"میں نے کہا تھا کہ تو مسلم سلسلہ کے متعلق کچھ لکھیں آپ نے کچھ لکھا کہ نہیں ؟"

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا "حضور! میں نے ارادہ کیا ہوا ہے اور انشاء اللہ خوب لکھونگا مگر اب آنکھوں میں سخت تکلیف ہے اس وقت نہیں لکھ سکتا۔"
حضورؓ نے فرمایا۔
"نیت کر لو۔ خدا توفیق دیگا۔ اور ہم انشاء اللہ دعا کریں گے آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔"

چنانچہ آپ نے کیا تالیف و تصنیف کے ذریعہ اور کیا زبانی طور پر کام کیا اور خوب کام کیا۔ پرانے مبلغین میں سے شاید ہی کوئی ہوگا جسے تقریر کی مشق کروانے میں آپ نے حصہ نہ لیا ہو۔

حضرت ماسٹر صاحبؓ کا یہ واقعہ پڑھ کر مجھے اپنے بچپن کا زمانہ یاد آگیا جبکہ مڈل کا امتحان دینے کے بعد میں نے ایک ڈاکٹر سے اپنی آنکھوں کا معائنہ کروایا تو اس نے کہا کہ تم پڑھنا لکھنا فوراً بند کر دو ورنہ تمہاری آنکھوں کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کو چونکہ یہ منظور تھا کہ میں اس کی راہ میں کسی قدر خدمت بجا لاؤں اس لئے اُس نے انہی کمزور آنکھوں کے ساتھ مجھے پڑھنے کی بھی توفیق دی اور تھوڑی بہت خدمتِ سلسلہ کا بھی موقع عطا فرمایا۔ دوسری بات جو یہ واقعہ پڑھ کر میرے ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق "نو مسلم" ہونے کی وجہ سے اپنی سمجھ کے مطابق کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا چاہیئے۔"

اِن خوابوں کے بعد آپ نے قلم ہاتھ میں لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح قلمبند کرنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی سیرت وسوانح پر مشتمل کتاب تالیف کی۔ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے حالات یکجائی صورت میں شائع فرمائے اور جب لاہور میں احمدیت کے ابتدائی نقوش اور تدریجی ترقی پر کتاب مکمل کی تو اس کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ کی زندگی کا آفتاب غروب ہو گیا جیسا کہ آپ نے کئی بار گھر میں بھی فرمایا کہ "اب میرا کام ختم ہو چکا ہے۔"

محترم جناب شیخ عبدالقادر مرحوم کے متعلق تاثرات کا نمونہ

(۱) حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے بنام شیخ عبدالماجد صاحب ابن حضرت مولانا شیخ عبدالقادرؓ تحریر فرمایا کہ:-

"..... بہت دعائیں ہوئیں بے حد دعائیں ہوئیں لیکن مشیتِ الٰہی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ میں اس صدمہ جانکاہ سے متعلق اپنی حالت ظاہر کر کے تمہیں رنج پہنچانا نہیں چاہتا۔ اب بجز اس کے چارہ کار کچھ نہیں کہ مرحوم کی ترقی مدارج کے لئے دعا کی جائے ...."

(۲) مکرم مرزا محمد سلیم اختر صاحب مربی:-

"استاذی المحترم حضرت شیخ صاحب کی وفات کی روح فرسا خبر پڑھ کر سناٹے میں آگیا۔ اللہ اللہ کیا بزرگ اور پاک نفس انسان تھے۔ مجھے اُن سے بڑا اقربی تعلق رہا ہے۔ بلاشبہ وہ اس دنیا کے انسان نہ تھے۔"

(۳) محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت نے تحریر فرمایا:-

"حضرت مولانا فوج احمدیت کے اُن جاں نثار مجاہدوں میں شامل ہیں جن کی سنہری خدمات ہمیشہ جماعت کو رہینِ منت کرتی رہیں گی۔"

(۴) جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر:-

"محترم شیخ صاحب مرحوم کی وفات کا مجھے جو صدمہ ہے عرض نہیں کر سکتا۔ ۱۹ سال سے شعر کہنا ترک کیا ہوا تھا۔ میری خفتہ شاعری حضرت شمس صاحب نے بیدار کی۔ پھر شیخ صاحب کی وفات سے ٹھیس لگی۔"[1]

(۵) محترم جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی:-

"کتنی عجیب بات ہے کہ احمدیت کا یہ نامور فرزند ایک کھتری گھرانہ میں پیدا ہوا۔ والدین رشتہ داروں اور عزیزوں کو کیا پتہ تھا کہ جس معصوم بچے کو ہم پال پوس کر پروان چڑھا رہے ہیں وہ ایک دن سب کو چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں چلا جائے گا اور گنگا سے نکل کر لبِ کوثر پر پہنچ جائے گا۔ خیر و برکت اور رشد و ہدایت خدا کے فضل ہی سے ملتی ہے اور خدا جس کو چاہتا ہے اس نعمت سے نوازتا ہے۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ بہت پیچھے آنے والے آگے نکل جاتے ہیں۔ بہت آگے رہنے والے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس

---

[1] جناب شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم کی سیرۃ کے متعلق محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر کی نظم الفرقان دسمبر ۱۹۶۶ء میں شائع ہو چکی ہے۔

مقولہ کے مصداق پورے طور پر شیخ صاحب مرحوم تھے لیکن اپنے اخلاص و ایمان کی بدولت بہت سوں سے آگے نکل گئے۔"

(۶) مکرم ملک احسان اللہ صاحب تنزانیہ سے لکھتے ہیں :-

"آپ کے ابا کی وفات کا مضمون آپ کے قلم سے لکھا ہوا پڑھ کر یوں معلوم ہوا کہ میں بھی وہیں آپ کے پاس موجود ہوں۔ اور اس مقدس انسان کی جدائی کا صدمہ میرے دل و دماغ پر طاری ہو گیا ـــــ خدا کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں اس مقدس، خاموش، سنجیدہ، متین، بردبار، پاکباز اور راستباز شخص پر ہوں۔ خدا تعالیٰ میرے اندر بھی وہ سب اوصاف پیدا کرے جو محترم مرحوم و مغفور میں تھے۔"

(۷) جناب میاں عطاء اللہ صاحب کینیڈا سے لکھتے ہیں :-

"کل مورخہ ۲۸ نومبر آنحروہ روح فرسا خبر ملی جس کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ ۝ فانا للہ و انا الیہ راجعون۔ جماعت احمدیہ ایک اور بڑے بے نفس مخلص عالم سے محروم ہو گئی۔"

(۸) فرانکفورٹ جرمنی سے مکرم فضل الٰہی صاحب انوری لکھتے ہیں :-

"آپ کے والد ماجد مولانا شیخ عبد القادر صاحب کی وفات کا بہت قلق ہے"

(۹) مکرم مولوی محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی مربی سلسلہ تحریر فرماتے ہیں :-

"مولانا مرحوم خاکسار کے پرانے، بہترین اور مشفق رفیق تھے۔ بیسیوں مواقع پر کئی کئی دن ہم سفر رہے اور خاکسار نے ہمیشہ ان کی رفاقت میں خاص لطف اٹھایا۔ گزشتہ ۳۲ سال کے عرصہ میں خاکسار نے مرحوم کو کبھی غصہ، ہم و غم یا مایوسی کی حالت میں نہیں دیکھا۔ آپ کی تمام زندگی للہیت اور روحانیت سے پُر تھی۔ دوران گفتگو آپ کے ہونٹوں پر معصومانہ مسکراہٹ اور چہرہ پر خاص قسم کی بشاشت ہوتی تھی۔ اپنے ساتھی کے مشورہ کی بڑی قدر کرتے اور اپنی بات اور رائے پر کبھی اصرار نہ کرتے۔ اپنی بجائے دوسروں کے آرام کا زیادہ احساس تھا۔ کیسی ہی تنگی اور مشکل کا سامنا ہوئیں نے انہیں ہمیشہ متوکل اور خوش پایا۔ گلہ کرنا ان کی عادت میں داخل ہی نہ تھا۔ کبر و نخوت کا نام تک نہ تھا۔ انکسار کا مجسمہ تھے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے ہاتھ، زبان یا رویہ سے کسی انسان کو کبھی تکلیف نہیں پہنچی ہو گی۔"

(۱۰) محترم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مولانا مرحوم ہندو مذہب سے آئے اور ایک ابدال کا مقام حاصل کیا اور پھر سلوک کی منازل تیزی سے طے کرنے لگے۔ عمر کے لحاظ سے گو چھوٹے ہونے کے باوجود ان کی عظمت جماعت میں بہت زیادہ تھی۔ ان کے قلم کو اللہ تعالیٰ نے قدرت و روانی بخشی۔ اور انہوں نے زبان، قلم، عمل اور پھر اپنی جان سے دین کی خدمت کی۔"

(۱۱) منشی نور الدین خوشنویس ربوہ لکھتے ہیں:۔

"مخدومی مکرمی مولانا ابوالعطاء صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم کے بارے میں خاکسار کو بھی ان کی متانت اور فرض شناسی کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے جبکہ حضرت شیخ عبدالقادر صاحب فاضل مرحوم بطور مہتمم نشر و اشاعت کام کیا کرتے تھے اور رسالہ "التبلیغ" کی ادارت بھی کرتے تھے اور خاکسار اصلاح و ارشاد میں کتابت کا کام کرتا تھا۔ خاکسار کو جو اُجرت ملتی تھی اُس سے کم اُجرت پر ایک اَور کاتب صاحب نے کام کرنا شروع کر دیا۔ شیخ صاحب نے مجھے کہا کہ فلاں اتنی اُجرت لیتا ہے تم بھی اتنی ہی اُجرت لو۔ مگر میں نے عرض کیا کہ اُن سے کام کروائیں۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو وہ کام پسند نہ آیا اور حضور رضؓ نے اصلاح و ارشاد کو لکھا کہ یہ خط مجھے پسند نہیں، پہلے ٹھیک تھا اب نہیں۔

ٹھیک اُس دن جبکہ الفرقان کا پہلا شمارہ سرگودھا میں چھپنے کے لئے گیا ہوا تھا اور آپ (مولانا ابوالعطاء صاحب) مجھے ساتھ لیکر سرگودھا خالد پریس میں گئے ہوئے تھے میرے مکان پر حضرت شیخ صاحب اور اصلاح و ارشاد کے اُس وقت کے کلرک چوہدری محمد یوسف صاحب کئی بار آئے۔ میں آپ کے ہمراہ رات کو ربوہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ شیخ صاحب اور محمد یوسف صاحب کئی بار آئے تھے اور کہتے تھے کہ کام کروانا تھا نور الدین کہاں ہے۔ میں حیران ہوا کہ کام تو وہ کروا رہے ہیں، نہ معلوم کیا وجہ ہے۔ دوسرے دن صبح حضرت شیخ صاحب اور محمد یوسف صاحب میرے پاس تشریف لائے اور شیخ صاحب نے فرمایا کہ کام کرو۔ وہ کام اچھا نہیں حضرت صاحب ناراض ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میری تو اجرت وہی ہوگی جو

پہلے ملتی ہے۔ تو فرمایا "اچھا کام کرو۔ کیا ہمیں اور زیرِ عتاب لانا ہے"۔ لہذا خاکسار نے پھر سے نشر و اشاعت کا کام کرنا شروع کر دیا

اللہ اللہ! کتنی انکساری تھی حضرت شیخ صاحب کی طبیعت میں کہ مجھ ناچیز سے بھی ایسی بات کہہ دی جو اُن کی بلند پایہ شخصیت کے اعتبار سے انکساری اور فرض شناسی اور خلیفۂ وقت کی اطاعت کی بہترین مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین ◆

حضرت مولانا جلال الدین شمسؓ کا ذکرِ خیر

(از قلم جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب)

کتاب "خالدِ احمدیت" میں حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری کا مضمون پڑھ کر عجیب انکشاف ہوا اللہ تعالیٰ انہیں جزاءِ خیر عطا کرے۔ انہوں نے رضاءِ الٰہی کے ماتحت سب کچھ صحیح صحیح لکھ دیا ہے اور یہی مومن کا شیوہ ہوتا ہے۔ اس امر نے ان کے مقام کو اور بھی بلند کر دیا ہے۔ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے یہ اُسی مغز کی تفسیر ہے جس کا ذکر میں نے فلسطین اور شام کے ماتحت اپنی کتاب "سوز و سازِ زندگی" میں کافی عرصہ پہلے کیا تھا جبکہ مجھے براہِ راست اس چیز کا علم نہ تھا اور نہ ہی بہرحال طور پر میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا بلکہ پسِ پردہ حضرت مولانا شمس صاحبؓ کی انتھک اور بے لوث مساعی اور قربانیوں کے شاندار نتائج شہادت دے رہے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص تصرف کے ماتحت مجھ سے لکھوا دیا (الحمد للہ علیٰ ذالک)۔

میں نے آں مرحوم کے ذاتی نمونہ کے ماتحت بے پناہ قربانیوں اور تبلیغ و تربیتی کاوشوں کی حسین یادوں کو فلسطین اور شام میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ان زندہ تصویروں کے تقویٰ و طہارت اور خدمتِ دین و خلق میں انتہائی استغراق کے تصور سے میں اب بھی دنیا کے ظلم و تشدد اور فسق و فجور پر اپنی ان اشکبار آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا اور دھڑکتے ہوئے دل کو قرار دیتا ہوں۔ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلفاء عظام اور صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی ان پاکیزہ اور دنیا کی کایا پلٹ دینے والی ہستیوں کو دیکھنے کے لئے میری شدید خواہش کو پورا کر دیا ہے (الحمد للہ علیٰ ذالک ثم الحمد للہ)۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنی جانوں کی قربانی اور مخلوقِ خدا کے لئے خدمت کا یہ جذبہ جو حضرت شمس صاحبؓ اور ان کی پیدا کردہ فلسطین و شام کی جماعتوں کے افراد میں پایا گیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس بارہ میں مندرجہ ذیل اشعار خوب ترجمانی کرتے ہیں ؎

جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفیٰ
ایں است کامِ دل اگر آید میسّرم
مر امقصود و مطلوب و تمنا خدمتِ خلق است
ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

ایڈیٹر کی ڈاک

(۱) مکتوب لندن

بخدمت مکرم و محترم حضرت مولوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

۱۔ امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ خاکسار نے عرصہ ہوا ایک مضمون حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے واقعۂ شہادت کے متعلق ارسالِ خدمت کیا تھا یہ اطلاع مکرم اسلم جاوید صاحب سے مل گئی تھی کہ مضمون آپ کو مل گیا تھا۔ لیکن آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی کہ آیا یہ مضمون قابلِ اشاعت ہے یا نہیں۔ اب جبکہ اتنے عرصہ تک یہ شائع نہیں ہو سکا ہے تو یہی گمان ہے کہ مضمون معیاری نہ تھا اور آپ نے اس کو شائع نہ کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے[1]

۲۔ پچھلے ہفتہ خاکسار انگلستان کی جماعتوں کے دَورہ پر جا رہا تھا۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے بھی ازراہِ شفقت ساتھ تشریف لے جانے اور جماعتوں کو خطاب فرمانے کا فیصلہ فرمالیا۔ چنانچہ ہم دونوں سفر پر روانہ ہوئے۔ چلنے سے قبل رسالہ الفرقان ملا۔ ایک رات ہم ہوٹل میں مقیم تھے خاکسار نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ اردو رسائل ہیں۔ محترم حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ انکے پاس انگریزی رسائل سفر میں پڑھنے کے لئے موجود ہیں اسلئے اردو رسائل کی ضرورت نہیں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ الفرقان بھی ہے۔ جس پر حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ وہ ضرور ابھی دیدیں کیونکہ جب بھی الفرقان آتا ہے میں سب سے پہلے اس کو پڑھ کر ختم کرتا ہوں اور اس کے بعد کوئی اور چیز پڑھتا ہوں۔ نیز فرمایا کہ یہ رسالہ اتنا مفید ہے کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ بعض یورپین مشنز کو نہیں آتا تو میں نے اپنے خرچ پر ان کے نام جاری کروا دیا ہے۔

۳۔ خاکسار کو اپنی دعاؤں میں خاص طور پر یاد رکھیں میں آپ کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں۔

خاکسار بشیر احمد رفیق۔ امام مسجد لندن ۲۶/۹/۶۸

(۲) مکتوب کراچی

مکرم محترم مولوی ابو العطاء صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

امید ہے آپ بخیریت تمام ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کی صحت اور عمر میں برکت دے۔ آمین۔

پرسوں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی معیت میں ٹھٹھہ جانے کا موقعہ ملا۔ وہاں حضور نے مسجد شاہجہان کا معائنہ فرمایا اور اس کے بعد ٹھٹھہ کے مشہور مقابر دیکھنے گئے۔ حضور نے

[1] الفرقان: مضمون نہایت عمدہ ہے عنقریب شائع ہوگا انشاء اللہ۔

مسجد کی تصاویر لیں۔ حضرت بیگم صاحبہ و صاحبزادیاں بھی ہمراہ تھیں اور قافلے کے کچھ دوسرے لوگ بھی ہمرکاب تھے۔ یہ وہی مسجد ہے جس کی تعمیر کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ امام خطبہ اور نماز کے وقت جو کچھ بولتا تھا وہ اتنی بڑی مسجد کے ہر حصے میں سُنا جا سکتا تھا۔ چنانچہ حضور نے خود بھی منبر پر کھڑے ہو کر سورہ فاتحہ کی تلاوت فرمائی اور اس کی گونج پوری مسجد میں سُنائی دی۔ حضور نے اس موقعہ پر مسجد کے مشرقی حصہ کے دروازے پر کندہ قطعہ کی طرف خاکسار کو توجہ دلائی اور فرمایا کہ اسے لکھ لیں تا کہ یہ سلسلے کے ریکارڈ میں محفوظ ہو جائے۔

دراصل اس قطعہ میں مسجد کی تاریخ تکمیل بحروف ابجد بتائی گئی ہے اور اس میں اسے مسجد اقصیٰ کہا گیا ہے۔ قطعہ یہ ہے:-

چوں ز صاحب قران شاہ جہاں ۔۔۔ یافت ترتیب مسجد اعلیٰ
ہاتفم گفت سال اتمامش ۔۔۔ گشت بنیاد مسجد اقصیٰ

۱۰۵۷ ہجری

اس کے بعد جب مقابر دیکھنے گئے وہاں شرفا خان کے مقبرے کے اندر ایک اور شعر کندہ پایا اور وہ یہ ہے:-

ہست تاریخ ایں بنائے شریف ۔۔۔ با صفا مثل مسجد اقصیٰ

۱۰۵۲ ہجری

حضور نے فرمایا یہ بھی لکھ لیں اور مولوی صاحب کو بھیج دیں۔ پس حسب ارشاد یہ امور تحریر کر رہا ہوں۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔

حضور ایدہ اللہ کی صحت یہاں آکر خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت بہتر ہو گئی ہے۔ گزشتہ دونوں جمعہ حضور نے پڑھائے۔ تقریباً روزانہ ہوا خوری کے لئے باہر تشریف لے جاتے ہیں۔ اپنے خدام کو شرفِ ملاقات بھی عطا فرماتے ہیں۔ الحمد للہ۔

آجکل طبیعت بڑی خوش ہے اور ہم سب پر ایک عجیب کیفیت کا عالم طاری ہے۔

طالب دعا۔ آفتاب احمد بسمل۔ کراچی

(۴) مکتوب چمن

"حضرت مولنا ابو العطاء صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا ماہ ستمبر کا الفرقان آیا ہے۔ حضرت آپ نے مشورہ طلب فرمایا ہے کہ کیا پندرہ روزہ ہو جائے یا صفحے بڑھا دیئے جائیں؟ الفرقان ایک ایسی چیز ہے کہ امید ہے ہر احمدی خریدار بے تابی سے اس کا انتظار کرتا ہوگا۔ بڑی مشکل سے کبھی جا کر مہینہ ختم ہوتا ہے۔ دل تو یہی کرتا ہے کہ ہر روز نیا الفرقان آئے اگر پندرہ روزہ ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ ایک عرض ہے کہ آپ اپنی آپ بیتی کیوں لکھنی بھول رہے ہیں۔ کیا کوئی خاص نمبر آپ نے اپنے مضمون کا تو نہیں نکالنے کا ارادہ کیا؟۔ جناب کی زندگی میں عجیب عجیب مناظرات اور تبادلے خیالات ہو گزرے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہر پرچہ میں ضرور کچھ لکھا کریں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔"

خاکسار مرزا محمد اسمٰعیل۔ چمن

حَیَاۃُ اَبِی الْعَطَاءِ		(سلسلہ کیلئے دیکھئے الفرقان اپریل ۱۹۶۵ء)

میری زندگی

چند منتشر یادیں

(۴)

میرا پہلا باقاعدہ مناظرہ

مدرسہ احمدیہ میں تقریر کی مشق کا اچھا انتظام تھا۔ ہفتہ وار اجلاسوں میں طلبہ کو باری باری تقریر کا موقعہ ملتا رہتا تھا۔ مجھے اور میرے بعض اور ساتھیوں کو تقریر کا بہت شوق تھا۔ مجھے خوب یاد ہے اور اب بھی وہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں موضع ننگل متصل قادیان کی طرف تنہا نکل جایا کرتا تھا اور گندم کے لہلہاتے کھیتوں کے کنارے کھڑے ہو کر اور گندم کے پودوں کو حاضرین تصور کر کے تقریر کی مشق کیا کرتا تھا۔ اس طرح تقریر سے مضمون ذہن میں راسخ ہو جاتا تھا اور پھر مجلس میں بیان کرنے میں سہولت رہتی تھی۔

علاوہ ازیں ہم لوگ ارد گرد کے دیہات میں تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے اور اس طرح پنجابی میں تقریروں کی مشق ہوتی رہتی تھی۔ قادیان کے قریب جانب غرب ایک گاؤں ڈلہ ہے۔ اس میں عام آبادی سکھوں کی تھی۔ چند گھر مسلمانوں کے بھی تھے۔ جن میں سے قاضی خاندان کے کچھ افراد احمدیت میں داخل ہو چکے تھے۔ وہاں کے پرانے لوگوں میں سے مجھے میاں عطاء ربی صاحب خوب یاد ہیں۔ اس گاؤں میں ایک گھر اہلحدیثوں کا بھی تھا۔ ان میں سے ایک نوجوان[1] بہت جوشیلا تھا۔ ہم جب اس گاؤں میں تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے تو وہ اہلحدیث نوجوان سوالات کا سلسلہ شروع کر دیتا تھا اس طرح خاصی رونق ہو جاتی تھی۔ اور بعض دفعہ کافی دیر تک گفتگو جاری رہتی۔ ہوتے ہوتے اس نے اہلحدیثوں کے ایک مولوی محمد امین صاحب کو ہمارے مقابلہ پر لانا شروع کر دیا اور وہاں پر مناظرہ کی صورت پیدا ہونے لگی اور متعدد مرتبہ کوٹھوں کی چھتوں پر بالمقابل تقاریر ہوا کرتی تھیں بعد ازاں تو اس گاؤں میں خاصے مناظرے بھی ہوتے رہے ہیں جبکہ ابھی عزیزم مولانا محمد سلیم صاحب فاضل (جو اسی گاؤں کے باشندے ہیں) سکول کی ابتدائی جماعتوں میں تھے اور وہ ہمیں ساتھ لیجایا کرتے تھے۔ یہ باتیں ذرا دیر بعد کی ہیں مگر میں نے اوپر جن ایام کا ذکر کیا ہے وہ بالکل ابتدائی تھے اور میں ابھی مدرسہ احمدیہ کی تیسری چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ ان دنوں بھی ہماری دیہاتی تبلیغ ایک رنگ مناظرات کا پیدا کر لیتی تھی۔

---

[1] یہ نوجوان بعد ازاں احمدی ہو گیا تھا۔

اسی عرصہ کی بات ہے کہ ایک روز حضرت مولوی محمد اعظم صاحب رضی اللہ عنہ آف تھہ غلام نبی (والد حضرت قاضی محمد رشید صاحب مرحوم سابق وکیل المال) قادیان آئے اور مجھے کہا کہ ہمارے قریب ایک گاؤں میں غیر احمدیوں کا جلسہ ہے ان سے حیات وفات مسیح پر مناظرہ ہوگا اور یہ مناظرہ تم نے کرنا ہے۔ میں نے کچھ عذر کیا کہ کسی عالم کو لیجائیں مگر اُن کے اصرار پر میں چلا گیا۔ اس گاؤں کا نام راجووال تھا۔ اس میں بٹالہ سے کئی مولوی جلسہ کرنے آئے ہوئے تھے۔ مولوی محمد اعظم صاحب کے علاوہ میرے ساتھ دو تین اور احمدی تھے۔ وہاں پر وفاتِ مسیح پر مناظرہ مقرر ہوا اور باقاعدہ شرائط طے ہوکر مناظرہ شروع ہوگیا۔ گاؤں کے لحاظ سے حاضری خاصی تھی۔

میرا عنفوانِ شباب تھا بلکہ اسے بچپن کا زمانہ ہی کہنا چاہیئے مگر مجھے بہت اعتماد تھا کہ یہ مولوی صاحبان کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دلائل خوب یاد تھے اور حوالہ جات ازبر تھے اور تقریر میں بھی جوش اور روانی تھی۔ اڑھائی تین گھنٹے تک مناظرہ جاری رہا۔ میں نے بار بار آیاتِ قرآنیہ پیش کرکے ان سے وفاتِ مسیح پر استدلال کیا اور مخالف علماء سے مطالبات کئے اور عام مسلمانوں کو غیرت دلائی کہ آپ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو فوت شدہ قرار دیتے ہو اور حضرت مسیح ناصریؑ کو آسمانوں پر زندہ تصور کرتے ہو۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سامعین پر اچھا اثر تھا اور مجھے امید ہو رہی تھی کہ عام لوگوں کی رائے ہمارے ساتھ ہوگی۔ شرائط کے مطابق آخری تقریر میری تھی۔ مگر جونہی میں اس تقریر کے لئے کھڑا ہوا تو پہلے سٹیج پر سے تالیاں شروع ہوئیں اور پھر عوام نے بھی تالیاں بجانی شروع کردیں اور شور مچا دیا کہ مرزائی ہار گئے، مرزائی ہار گئے۔ یہ صورتِ حال میری ناتجربہ کاری کے باعث میرے وہم و خیال میں بھی نہ تھی اور مجھے قطعاً یہ امید نہ تھی کہ لوگ اتنی زیادتی بھی کرسکتے تھے۔ اس شور و غوغا میں مولویوں نے اجلاس ختم کردیا اور لوگ منتشر ہوگئے۔ میری طبیعت بہت افسردہ تھی اور میں حیران و ششدر رہ گیا کہ لوگ اتنے بھی ظالم ہوتے ہیں۔ حضرت مولوی محمد اعظم صاحب نے فرمایا کہ آیئے ہم نماز عصر ادا کریں۔ چنانچہ ہم چند آدمی قریب ہی جاری ایک نہر کے کنارے وضو کرکے نماز کے لئے تیار ہوئے۔ پاس ہی پُل تھا جس پر سے گزر کر لوگ گاؤں کو جارہے تھے۔ حضرت مولوی صاحب موصوف نے اصرار فرمایا کہ نماز میں پڑھاؤں۔ چنانچہ میں نے نماز شروع کرائی اور نہایت رقت سے ان لوگوں کے لئے ہدایت کی دعا کی۔ وہ لوگ پاس سے گزر رہے تھے اور ہمیں نماز پڑھتا دیکھ کر ایک دوسرے کو آواز بلند کہہ رہے تھے کہ دیکھو یہ کافر نماز پڑھ رہے ہیں۔ دل تو

پہلے ہی بھرا ہوا تھا ایسے فقرے سُن کر اور بھی درد پیدا ہوا اور خوب دُعا کی۔

جب نماز ختم ہوئی اور مَیں نے بائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان آگے بڑھا اور اس نے نہایت محبت سے مصافحہ کیا اور بتایا کہ مَیں مڈل پاس ہوں اور فلاں گاؤں میں مدرس ہوں اور مَیں آج کا مناظرہ سُن کر احمدیت قبول کرتا ہوں میری بیعت لے لی جائے۔

اس نوجوان کے اس بیان سے مجھے بے حد مسرت ہوئی مگر تعجب بھی تھا کہ اس ہنگامہ آرائی اور فتنہ پردازی کے ماحول کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو کس طرح رہنمائی فرما دی ہے۔ اس سے دریافت کیا کہ آپکو کس چیز نے زیادہ اپیل کی ہے اس نے بتایا کہ مَیں مولویوں کے پاس سٹیج پر بیٹھا تھا اور ان کی سب باہمی باتیں سُنتا رہا ہوں۔ جب آپ تقریر کرتے تھے تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ "مُنڈا گلاں تاں بڑیاں بچیاں کردا اے" یعنی یہ نوجوان باتیں تو بہت مدلل کرتا ہے پھر کہتے تھے کہ ہمارے مناظر کو جواب نہیں سُوجھ رہا لوگوں پر بُرا اثر ہو رہا ہے۔ جب آپ آخری تقریر کے لئے اُٹھنے لگے تو علماء نے سٹیج پر مشورہ کیا کہ اس کو آخری تقریر کرنے کا موقعہ ہرگز نہ دیا جائے ورنہ لوگ احمدی ہو جائیں گے۔ اس پر تجویز ہوئی کہ سٹیج پر سے تالیاں بجا کر شور کر دیا جائے کہ مرزائی ہار گئے۔ مرزائی ہار گئے۔ چنانچہ اس مشورہ کے مطابق عمل ہوا اور عوام نے بھی شور کر دیا اور آپ کی تقریر نہ ہو سکی اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

اس نوجوان نے بتایا کہ مَیں نے جو کچھ دیکھا اور جو کچھ سُنا وہ مجھے احمدی بنانے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ اُس نے فارم بیعت پُر کر دیا اور ہم نے اُسے کہا کہ جمعہ کے روز قادیان مسجد اقصیٰ میں آجائیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (رض) کا خطبہ بھی سُنیں اور دستی بیعت بھی کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اِس واقعہ کے بعد جو گویا میرے پہلے باقاعدہ مناظرہ کا واقعہ ہے مجھے لوگوں کے شور و غوغا سے کبھی مایوسی نہیں ہوئی۔ کون جانتا ہے کہ کس سعادت مند دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے سچائی کے قبول کرنے کے لئے کھول دیا ہے۔ مبلغینِ سلسلہ کو کبھی بھی دشمنوں کے حربوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے اور کبھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ لوگ حق کو قبول نہیں کریں گے ÷ (باقی)

توسیع اشاعت فنڈ | گزشتہ اعلان کے بعد اس مد میں ۳۶ روپے آمد ہوئی ہے (۱) مکرم حکیم حفیظ الرحمٰن صاحب ربوہ نے اپنے بیٹے لطیف الرحمٰن کی شادی کی خوشی میں ۱۵ روپے (۲) مکرم سیٹھ محمد یوسف صاحب بانی چنیوٹ نے اپنے بیٹے محمود احمد صاحب بانی کی شادی کی خوشی میں ۱۵ روپے توسیع اشاعت الفرقان کیلئے دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن تقریبات کو مبارک کرے۔ آمین۔ (۳) ڈاکٹر سید عبد الوحید صاحب بھکر چھ روپے۔ (نوٹ) اس [illegible]

الفردوس

انارکلی میں

لیڈیز کپڑے کے لئے

آپ کی اپنی

دکان ہے

الفردوس

۸۵ - انارکلی لاہور

ماہنا تحریک جدید ربوہ

"اسلام کی روز افزوں ترقی کا آئینہ دار"

آپ خود بھی یہ ماہنامہ پڑھیں اور

غیر از جماعت دوستوں کو بھی پڑھائیں

سالانہ چندہ:- صرف دو روپے

——— مینجنگ ایڈیٹر

روزنامہ الفضل ربوہ

الفضل جماعت احمدیہ کا واحد روزنامہ ہے اس کا ہر احمدی گھرانہ میں پڑھا جانا نہایت ضروری ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلماتِ طیّبات، حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کے روح پرور ارشادات و خطباتِ جمعہ اور علماءِ سلسلہ کے اہم علمی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اہم جماعتی و ملکی خبریں بھی شائع ہوتی ہیں۔ اس کی خریداری آپ کا جماعتی فرض ہے۔ خود بھی پڑھئے اور اپنے احباب کو بھی مطالعہ کے لئے دیجئے۔ (مینجر)

مفید اور مؤثر دوائیں

نور کاجل

ربوہ کا مشہور عالم تحفہ

آنکھوں کی صحت اور خوبصورتی کے لئے نہایت مفید
خارش، پانی بہنا، پھنی، ناخنہ، ضعفِ بصارت،
وغیرہ امراضِ چشم کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ متعدد
جڑی بوٹیوں کا سیاہ رنگ جوہر ہے جو عرصہ ساٹھ سال
سے استعمال میں ہے۔

خشک و تر قیمت فی شیشی سوا روپیہ

تریاق اٹھرا

اٹھرا کے علاج کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ
کی بہترین تجویز جو نہایت عمدہ اور بہترین اجزاء کے
ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔

اٹھرا بچوں کا مُردہ پیدا ہونا یا پیدا ہونے کے
بعد جلد فوت ہو جانا یا چھوٹی عمر میں فوت ہو جانا یا لاغر
ہونا۔ اِن تمام امراض کا بہترین علاج۔

قیمت :- پندرہ روپے

نور منجن

دانتوں کی صفائی صحت کیلئے از حد ضروری
ہے۔ یہ منجن دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی حفاظت
اور علاج کے لئے بہت مفید ہے۔

قیمت فی شیشی۔ ایک روپیہ

نور نظر

اولادِ نرینہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ
کی بہترین تجویز جس کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کے فضل
سے لڑکا ہی پیدا ہوتا ہے۔

قیمت مکمل کورس۔ پچیس روپے

خورشید یونانی دواخانہ رجسٹرڈ۔ گول بازار ربوہ۔ فون نمبر ۳۸

(پبلشر و ناشر۔ ابوالعطاء جالندھری۔ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔ مقامِ اشاعت دفتر ماہنامہ الفرقان۔ ربوہ)

تین ضروری اعلان

(۱)

الفرقان کے پرانے رسالے نصف قیمت پر

ماہنامہ الفرقان ربوہ کے سنہ ۱۹۵۲ء سے لیکر سنہ ۱۹۶۸ء تک کے ایک سو دس (۱۱۰) متفرق مہینوں کے عام رسالے دفتر میں برائے فروخت موجود ہیں۔ یہ سب رسالے نہایت مدلل اور ٹھوس مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان سب رسالوں کی مجموعی قیمت چھیاسٹھ روپے سے کچھ زیادہ بنتی ہے۔ جو دوست سب رسالے خرید کریں گے انہیں کل رسالہ جات **نصف قیمت** یعنی تینتیس روپے میں دیئے جائیں گے۔ (علاوہ محصول ڈاک)

یہ رعایت اس شمسی سال کے آخر تک جاری رہے گی۔ خدام الاحمدیہ یا انصار اللہ مرکزیہ کے اجتماعات پر تشریف لانے والے دوست دستی لے جاکر محصول ڈاک سے محفوظ رہیں گے۔ ایسے احباب اگر پہلے سے تحریر فرمادیں تو دفتر ان کے لئے سیٹ باندھ کر تیار کر رکھے گا۔

اگر کوئی دوست اِن ایک سو دس مہینوں کے رسالوں میں سے چند خرید کریں گے تو ان سے کل قیمت کا ¾ لیا جائے گا۔

(۲)

مجلّد مکمّل فائل

علاوہ ازیں سنہ ۱۹۶۴ء، سنہ ۱۹۶۵ء، سنہ ۱۹۶۶ء اور سنہ ۱۹۶۷ء کے مکمل فائل مجلّد صورت میں دفتر میں برائے فروخت موجود ہیں۔ ہر مجلّد فائل کی قیمت آٹھ روپے ہے۔ علاوہ محصول ڈاک۔

(۳)

خاص نمبروں کے متعلّق اعلان

ماہنامہ الفرقان کے خاص نمبر تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل خاص نمبر قابلِ فروخت ہیں:۔

(۱) خاتم النبیین نمبر ۱/- (۲) سیرت خیر البشر نمبر ۱/- (۳) حضرت حافظ روشن علیؓ نمبر ۱/- (۴) حضرت میر محمد اسحاقؓ نمبر ۱/- (۵) حضرت قمر الانبیاءؓ نمبر ۲/- (۶) حضرت فضل عمر رضی اللہ عنہ نمبر ۱/- (۷) خلافت نمبر ۳/- (۸) جہاد نمبر ۱/- (۹) درویشانِ قادیان نمبر ۲/- علاوہ محصول ڈاک ؎

(مینجر الفرقان۔ ربوہ)

اخویم محترم شیخ عبدالقادر صاحب فاضل نو مسلم
کا فوٹو شائع کیا جاتا ہے ان کے بارے میں مختصر
نوٹ اسی شمارہ میں دوسری جگہ شامل ہے

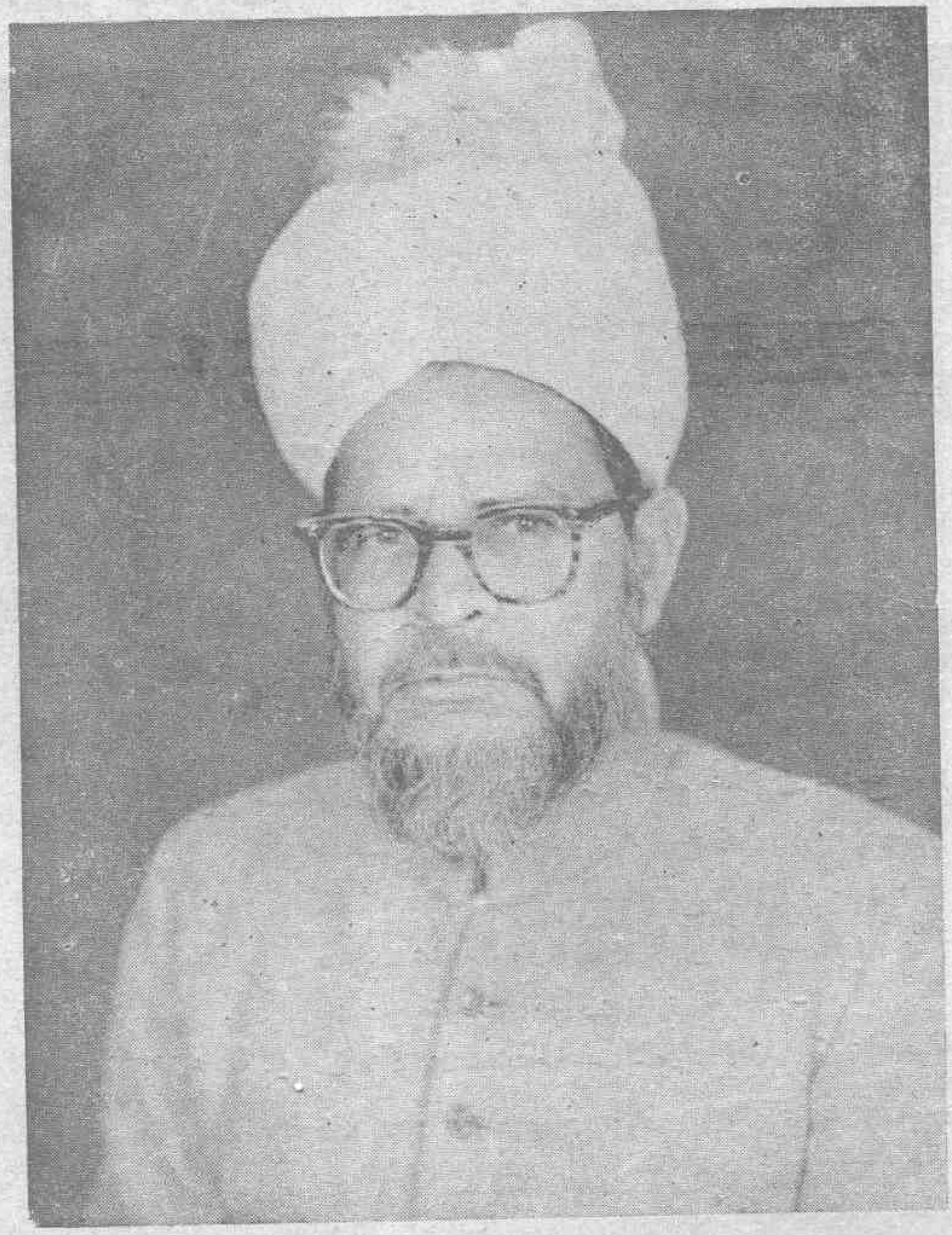

Monthly AL-FURQAN Rabwah

October 1968 Reg. No. L 5708

مجلس عاملہ انصاراللہ کوئٹہ ، مرکزی نمائندوں کے ساتھ

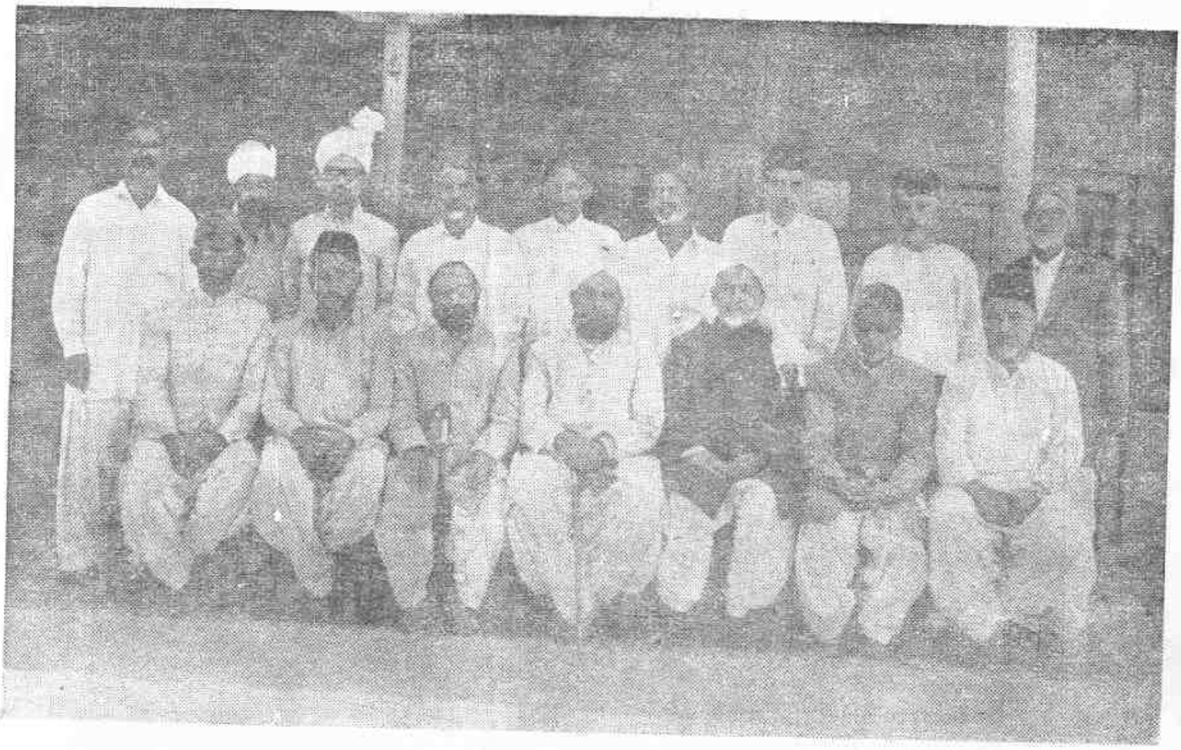

کرسیوں پر دائیں جانب سے :- میاں بشیر احمد صاحب ناظم علاقائی - شیخ محبوب عالم صاحب خالد قائد عمومی - شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعت کوئٹہ - ابوالعطاء قائد اصلاح و ارشاد - مولوی دوست محمد صاحب شاھد - مولوی محمدالدین صاحب مربی کوئٹہ - مولوی محمد عمر صاحب ایم اے مربی سلسلہ -

کھڑے :- چوھدی محمد حیات صاحب - میاں محمداسحاق عابدصاحب - ملک عبدالرحمن صاحب - حاجی خلیفہ عبدالرحمن صاحب - میاں عبدالقیوم صاحب اور چوھدری عبدالوحید خانصاحب اور دیگر احباب

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا -